ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی
جلد:۳۴ شمارہ:۴۹ ۳رتا۹ردسمبر۲۰۲۱ء — ۲۷ربیع الآخرتا۴رجمادی الاول ۱۴۴۳ھ
Year-34 Issue-49 3 - 9 December 2021 Page 16

لاکھوں لوگوں کی قربانی کے بعد ملنے والی
ملنے والی آزادی
فلم اداکارہ کنگنارناوت کی نظر میں تھی

بھیک

کیا مودی حکومت اسی بھیک کا جشن منارہی ہے؟

مودی جی اب بہت ہوچکا، آپ کی خاموشی ہی ان فرقہ پرست بھکتوں کو خوراک مہیا کررہی ہے، ان کی بدزبانیوں پر اب پابندی لگانا آپ کی ذمہ داری ہے۔

محمد سالم جامعی

۱۷۵۷ء ہندستان کی تاریخ کا وہ یادگار سال ہے جب پلاسی کے میدان میں نواب سراج الدولہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپہ سالار رابرٹ کلائیو کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی اور جس میں حالانکہ خود اپنوں کی غداری کی بدولت انگریزی سامراج کا ملک پر پنجہ مزید مضبوط ہوا مگر اس جنگ کی چنگاری اگلی ایک صدی بعد انگریزی سامراج کے خلاف لڑی جانے والی ملک گیر تحریک آزادی کے لیے ایک شعلہ جوالہ بن کر سامنے آگئی۔ پلاسی کی اس جنگ کے ٹھیک ایک صدی بعد ۱۸۵۷ء میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا جسے انگریزی سامراج نے غدر کا نام دیا جبکہ دراصل یہ ملک کی قومی سطح پر پہلی تحریک آزادی تھی جو ۱۰رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک پر چھا گئی تھی۔ اس تحریک کا قائد بہادرشاہ ظفر کو بنایا گیا تھا اور حالانکہ ابتدائی کامیابیوں کے بعد یہ تحریک آزادی اسباب ووسائل کی کمی کی وجہ سے ناکام ہوگئی تھی اور پورا ملک انگریزی سامراج کے زیر اقتدار آگیا تھا مگر ۱۸۵۷ء کے شہیدوں کے حوالے سے جو عبارت لکھی گئی تھی اس نے باقاعدہ تحریک آزادیٔ ہند کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اس بظاہر ناکام تحریک آزادی نے ہندستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کے لیے نفرت پیدا کردی۔ تحریک آزادی کو دبانے کیلئے انگریزوں کی ظالمانہ کارروائیوں نے اس نفرت کی آگ میں تیل کا کام کیا۔ یہ نفرت اور غصہ جب اپنے نقطۂ عروج پر تھا تب ہی ایک ریٹائرڈ برطانوی آفیسر اے او ہیوم نے ۱۸۸۵ء میں ایک تنظیم ''انڈین نیشنل کانگریس'' کی بنیاد رکھی۔ (باقی ص۱۴ پر)

اندر پڑھیے

• وطنی وتہذیبی تناظر میں مختلف ومتصادم مسائل کی تفہیم ص۵ • خلیفہ رابع حضرت علی بن طالبؓ، جنھوں نے اپنے عہد خلافت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ص۸
• اپنے مالک وخالق کی طرف لولگائیں ص۹ • تیمّم ایک عظیم نعمت جو امت محمدیہ کو عطا کی گئی ص۱۰

سعودی عرب: گیارہ زبانیں جاننے والا روبوٹ زائرین کی رہنمائی میں مصروف

مسجد الحرام میں گیارہ زبانیں بولنے والے روبوٹ زائرین کی عبادات میں رہنمائی کرنے لگے۔ چار پہیوں والا روبوٹ لوگوں کو اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے میں مدد کرتا ہے۔ سوالات کے جوابات دیتا ہے اور دیگر خدمات بھی پیش کرتا ہے۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق عظیم الشان مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے امور کے لیے جنرل پریذیڈنسی دو مقدس مساجد کے زائرین کے لیے متعدد اسمارٹ خدمات اور ٹیکنالوجی پیش کرتی ہے تاکہ وہ عظیم الشان مسجد کے زائرین کے لیے خدمات کی سطح کو ترقی دے سکے۔ سعودی پریس ایجنسی سے معلوم ہوا ہے کہ اسمارٹ ٹیکنالوجی، بشمول ٹچ اسکرین روبوٹ، زائرین کی خدمت کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔ چار پہیوں والا روبوٹ لوگوں کو اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے میں مدد کرتا ہے۔ سوالات کے جوابات دیتا ہے اور دیگر خدمات بھی پیش کرتا ہے، روبوٹ میں فوری ترجمہ کرنے اور مختلف زبانوں میں ہدایات ترتیب دینے کا آپشن موجود ہے۔ بتایا گیا ہے کہ دومقدس مقاجد کے امور کے لیے جنرل پریذیڈنسی اپنی پیش کردہ خدمات کی سطح کو تیار کرنے کے لیے اسمارٹ ٹیکنالوجی کا استعمال کررہی ہے۔ ریموٹ کنٹرول روبوٹ گیارہ زبانوں کو سپورٹ کرتا ہے جن میں عربی، انگریزی، فرانسیسی، روسی، فارسی، ترکی، چینی، بنگالی اور ہاؤسا شامل ہیں۔ اس میں ۲۱ اِنچ کی ٹچ اسکرین ہے جس کا استعمال زائرین کے تشویشناک مسائل سے نمٹنے کے لیے کیا جاسکتا ہے جیسے رہنمائی، رائے کا اظہار اور ایک اسمارٹ اسٹاپیج سسٹم جو اسے آسانی سے اور لچکدار طریقے سے حرکت کرنے دیتا ہے۔ جنرل پریذیڈنسی مقررۃ الحرمین میں دو مقدس مساجد کے قاری کی خدمت پیش کرتا ہے جو دنیا بھر کے ایسے مسلمانوں اور جامع مسجد کے زائرین کو قرآن سکھاتا ہے جو اپنی تلاوت کو بہتر بنانا اور سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تعلیم دوردراز کی ہے، گرینڈ مسجد سے ٹرانس میشن کے ساتھ اور عربی، انگریزی، اُردو اور ہاؤسا سمیت چھ زبانوں میں دستیاب ہے، اسی طرح جنرل پریذیڈنسی نے اسمارٹ قرآن بھی لانچ کیا ہے جو بصارت سے محروم افراد کے لیے ایک ای ڈیوائس ہے تاکہ وہ بریل میں قرآن پڑھ سکی۔

اُردن: پارلیمنٹ کا اسرائیل سے تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ

انٹیلیجنس کے سابق وزیر اور اسرائیلی کنیسٹ کے رکن ایلی کوہن کے بیانات نے اردن کے عوام اور سیاسی حلقوں میں سخت بے چینی پیدا کی ہے جس کے بعد اردنی پارلیمنٹ نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسرائیلی وزیر نے کہا تھا کہ وہ اردن کو فلسطینیوں کے لیے ایک متبادل وطن سمجھتے تھے۔ اردنی حکومت اسرائیلی وزیر کے اس متنازع بیان پر خاموش ہے۔ جب اس حوالے سے اردنی وزارتِ خارجہ سے استفسار کیا گیا تو اس پر کوئی ردّعمل ظاہر نہیں کیا گیا۔ کوہن کا خیال تھا کہ اردن فلسطینی ریاست ہے کیونکہ اس کے باشندوں کی اکثریت فلسطینیوں پر مشتمل ہے اور سمندر سے دریائے اردن تک یہودی ریاست اسرائیل کے لوگوں کی ہے۔ یہ بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب اسرائیل کے سابق وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو کے دور میں کشیدگی کے بعد اردن اور اسرائیل کے تعلقات میں غیر معمولی بہتری دیکھی جارہی ہے۔ ان بیانات پر سرکار کی خاموشی نے سوشل میڈیا پر اور اردن کی پارلیمنٹ کے ایوان میں غصے کے ردّعمل کو جنم دیا۔ اردنی رکن پارلیمنٹ صالح العرموطی نے ان بیانات کو اردن کی سلامتی کے لیے خطرہ، اس پر صریحاً حملہ اور وادی عربہ معاہدے کے لیے ایک دھچکا قرار دیا۔ عرموطی نے ایک بار پھر اپنے ملک کی حکومت سے سفارتی تعلقات منقطع کرنے، اسرائیل کے ساتھ کی گئے معاہدے منسوخ کرنے اور یہ معاملہ بین الاقوامی فورمز پر اُٹھانے کا مطالبہ کیا۔ اردن کی پارلیمنٹ نے اس سے قبل اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کی منسوخی اور عمان میں اسرائیلی سفارت خانے کو بند کرنے کے لیے تقریباً ستر یادداشتوں پر دستخط کیے تھے لیکن حکومت نے ان میں سے کسی پر عمل درآمد نہیں کیا۔

سعودی عرب کی طرف سے پاکستانیوں کیلئے دوخوبصورت مساجد کا تحفہ

اسلامی دُنیا کے اہم ترین ملک سعودی عرب نے پاکستان کے دومختلف شہروں میں خوبصورت مساجد بنا کر بطور تحفہ پاکستانیوں کے سپرد کردیں۔ سعودیہ حکومت نے خیبر پختونخوا (کے پی) کے شہر مانسہرہ اور آزاد جموں وکشمیر (اے جے کے) کے شہر مظفر آباد میں بنوائی گئی مساجد بطور تحفہ پاکستان کے حوالے کردیں۔ مساجد کو حکومت پاکستان کے حوالے کیے جانے کی تقریبات ۱۵ ارنومبر کو اسلام آباد میں سعودیہ سفارت خانے میں منعقد کی گئی جس میں وزیر مذہبی امور ڈاکٹر نورالحق قادری نے مساجد کی منتقلی کے معاہدہ پر دستخط کیے۔ تقریب کے دوران وفاقی وزیر نے اپنے خطاب میں سعودیہ حکومت کا شکریہ بھی ادا کیا جبکہ مساجد کی فن تعمیر کی تعریف بھی کی۔ خیبر پختونخوا کے شہر مانسہرہ میں بنائی گئی مسجد کو جامع مسجد شاہ عبدالعزیز کا نام دیا گیا ہے، جسے سعودیہ کے سابق بادشاہ مرحوم شاہ عبدالعزیز آل سعود کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ مذکورہ مسجد میں بیک وقت دس ہزار افراد نماز کی ادائیگی کرسکیں گے جبکہ ان کے نقشے اور ڈیزائن کو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ سے مشابہ رکھا گیا ہے۔

اسی طرح مظفر آباد میں تعمیر کرائی گئی مسجد کا نام جامع مسجد شاہ فہد رکھا گیا ہے اور اسے بھی سعودیہ کے سابق بادشاہ مرحوم شاہ فہد بن عبدالعزیز کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ مذکورہ مسجد میں بیک وقت چھ ہزار افراد نماز کی ادائیگی کرسکیں گے اور اس کے نقوش اور ڈیزائن بھی مکہ مکرمہ میں المسجد الحرام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے مشابہ رکھا گیا ہے۔ دونوں مساجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد انھیں بطور تحفہ پاکستان کے حوالے کیا گیا اور انھیں پاکستانی عوام کے لیے کھول دیا گیا۔ دونوں مساجد کے دالان اور صحن بھی مکہ مکرمہ میں مسجد حرام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے مشابہ رکھے گئے ہیں۔ دونوں مساجد کو بطور تحفہ پاکستانی عوام کو دیئے جانے پر حکومت اور لوگوں نے سعودی عرب حکام کا شکریہ ادا کیا ہے۔ خیال رہے کہ مذکورہ مساجد سے قبل بھی سعودیہ حکومت نے پاکستان میں متعدد مساجد، اسپتالوں اور فلاحی اداروں میں معاونت کررکھی ہے۔ ملک کے تقریباً تمام صوبوں میں سعودی عرب کے تعاون سے بنائے گئے اسپتال، فلاحی و تعلیمی ادارے یا پھر مساجد موجود ہیں۔

افغانستان: تمام ممالک کے ساتھ مثبت تعلقات چاہتے ہیں: سہیل شاہین

طالبان کے ترجمان سہیل شاہین نے کہا ہے کہ افغانستان میں مشترکہ مفادات، سرمایہ کاری اور تعمیر نو کے لیے امریکہ سمیت تمام ممالک کے ساتھ مثبت تعلقات کے خواہشمند ہیں۔ دوحہ میں طالبان کے ترجمان اور اقوام متحدہ میں طالبان کے نامزد کردہ مستقل مندوب سہیل شاہین نے سماجی رابطے کی ویب سائٹ پر اپنی طویل ٹویٹ میں لکھا ہے کہ افغان عوام نے طویل جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کی ہے جس کے بعد آزاد افغانستان کے لیے امریکہ سمیت تمام ممالک کے ساتھ باہمی مفادات، سرمایہ کاری اور تعمیر نو، مشترکہ منصوبوں پر مبنی مثبت تعلقات کا ایک نیا باب کھل گیا ہے۔ ترجمان طالبان نے سہیل شاہین نے اپنی ٹویٹ میں یہ بھی بتایا کہ قدرتی وسائل کی تلاش اور معدنیات نکالنے کے لیے امریکہ کے ساتھ ہونے والے دوحہ معاہدے کی پاسداری کررہے ہیں۔ طالبان ترجمان نے اپنے اس عہد کو بھی دوہرایا کہ افغان سرزمین کو کسی دوسرے ملک کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ موجودہ حکومت کی پورے ملک میں حاکمیت اور رٹ قائم ہے اور عوام کی بھی مکمل حمایت حاصل ہے۔ سہیل شاہین نے اپنی ٹویٹ میں یہ بھی مطالبہ کیا کہ اقوام متحدہ میں افغانستان کے مستقل مندوب کی نشست کے لیے طالبان حکومت تمام قانونی شرائط پوری کرتی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ قانونی تقاضے سماجی ترجیحات سے بالاتر ہوں گے۔ واضح رہے کہ طالبان حکومت نے اقوام متحدہ میں مستقل مندوب کے طور پر سہیل شاہین کو نامزد کیا ہے تاہم متعلقہ کمیٹی تاحال اس پر کارروائی کا آغاز نہیں کرسکی ہے۔

برطانوی ارب پتی بھائیوں کی طرف سے یورپ کا سب سے بڑا مسلم قبرستان بنانے کا منصوبہ

عیسیٰ برادران، جو برطانیہ کے امیر ترین آدمیوں میں سے ہیں، نے شمالی انگلینڈ میں ایک بڑے پلاٹ پر یورپ کے سب سے بڑے مسلم قبرستان بنانے کے منصوبے کو ظاہر ہے۔ عرب نیوز کے مطابق عیسیٰ میموریل گارڈنز بلیک برن قصبے کے مغرب میں تعمیر کیا جائے گا جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے اور یہ تقریباً ۴۰ فٹ بال کے میدان یا ۸۲؍ ایکڑ کے برابر جگہ کا احاطہ کرے گا۔ اس میں تدفین کے ۳۵ ہزار پلاٹس کی جگہ ہوگی، لندن کے گارڈن آف پیس سے ۲۵ ہزار سے زیادہ جو اس وقت یورپ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ اس میں پارکنگ کی ۶۶۳ جگہیں اور وسیع زمین بھی ہوگی۔ زبیر اور محسن عیسیٰ حال ہی میں برطانیہ کی سب سے بڑی سپر مارکیٹ چین ایسڈا میں حصص خریدنے کے بعد شہ سرخیوں میں آئے۔ چیریٹی عیسیٰ فاؤنڈیشن جو قبرستان کے منصوبوں کا انتظام کررہی ہے نے ایک بیان میں کہا ہے کہ انگلینڈ کے شمال مغرب میں مسلمانوں کی تدفین کے پلاٹوں کی ضرورت تشویشناک ہوگئی ہے، کوویڈ ۱۹ کی وجہ سے صورتحال مزید خراب ہوگئی ہے۔ یہ تجویز مسلم کمیونٹی کے لیے مفاد عامہ کا معاملہ ہے اور شمال مغربی علاقے کے لیے اسٹریٹیجک اہمیت کی حامل ہے۔ عیسیٰ فاؤنڈیشن نے کہا ہے کہ یہ تجویز درخواست کے مرحلے میں ہے اور اگر کامیاب ہوجاتی ہے تو اگلے ۵۰ سے سو سالوں تک خطے میں مسلم کمیونٹی کی خدمت کرے گی۔ عیسیٰ فاؤنڈیشن نے وعدہ کیا کہ اگر منصوبے منظور ہوجاتے ہیں اور قبرستان تعمیر ہوجاتا ہے تو خدمات کی فراہمی سے حاصل ہونے والے منافع کو جنازے کی خدمات فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ کوئی ڈائریکٹر یا رضا کار قبرستان سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ عیسیٰ فاؤنڈیشن کی جانب سے اس سال کے شروع میں بلیک برن میں ۶ء۹ ملین ڈالر کی لاگت سے مسجد کی تعمیر کے منصوبے کی منظوری دی گئی تھی۔

دریچۂ پاکستان — مظہر برلاس

عمران خان کو کیا کرنا چاہیے

مہنگائی کا طوفان آتے ہی اپوزیشن نے تابڑتوڑ حملے شروع کردیئے ہیں، اتحادی بھی ناراض ہیں حالات کی گردش کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ عالمی مہنگائی مگر اس سے بھی بڑی وجہ عمران خان کی اپنی معاشی ٹیم اور اپنے فیصلے ہیں۔ الیکشن کے مرحلے پر ان سے کچھ گزارشات کی تھیں وہ الیکشن مہم کے دوران عمل پیرا رہے مگر اقتدار کی تقسیم کے وقت ان سے دو بڑی غلطیاں ہوئیں، انہی غلطیوں کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑ رہا ہے وہ بڑے صوبے کے اقتدار پر پتہ نہیں کس کے کہنے پر تونسہ کے ایک آدمی کو لے آئے۔ وفاقی کابینہ کے سینئر ترین لوگ کہتے ہیں کہ کابینہ میں سب سے سمجھدار فواد چودھری ہیں اگر عمران خان پنجاب کا اقتدار فواد چودھری کے حوالے کردیتے تو لوگ پنجاب کی مثالیں دے رہے ہوتے اور آج عمران خان کو بڑے صوبے میں بیڈ گورننس یعنی برے طرز حکمرانی کا طعنہ بھی سننے کو نہ ملتا۔ پی ٹی آئی کے پاس اچھا موقع تھا کہ وہ پنجاب سے ن لیگ کا صفایا کردیتی مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا۔

عمران خان سے ابتدائی ایام میں دوسری بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے غیر سیاسی لوگوں کو بہت اہم سمجھا حتیٰ کہ ملکی خزانے کی لگام بھی ایسے ہاتھوں میں تھمادی جو معیشت سے نابلد تھے۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میں نے انہیں کہا کہ اسد عمر آپ کی پارٹی کا اہم آدمی ہے مگر اسے خزانے کا وزیر مت بنانا کیونکہ اسے معیشت کا کچھ پتہ نہیں۔ خان صاحب کہنے لگے ''نہیں، میں نے اسد عمر سے وعدہ کررکھا ہے، میں خود کہہ چکا ہوں کہ ہمارا وزیر خزانہ اسد عمر ہوگا'' خیر انہوں نے اپنے وعدے کو مقدم جانا وزیر خزانہ نے آتے ہی آئی ایم ایف نہ جانے کا اعلان کیا، ایک کروڑ نوکریوں کا نعرہ لگا دیا، پچاس لاکھ گھروں کی بات کی لیکن پھر کیا ہوا چند ماہ بعد ہی آئی ایم ایف کے دروازے پر دستک دینا پڑی۔ آئی ایم ایف والے ہمارے وزیر بہادر سے بات کرنے کو تیار نہ ہوئے تو وزیر اعظم کو خود دبئی جاکر مذاکرات کرنا پڑے۔ اس دوران اگر ہمارے دوست ممالک ساتھ نہ نبھاتے تو ہمارا ملک دیوالیہ ہوجاتا۔ پھر وقت آیا کہ وزیر اعظم کو وعدہ فراموش کرنا پڑا، وزیر کو ہٹانا پڑا پتہ نہیں رات گئے کن لوگوں نے معیشت کے سامنے آئینہ رکھ دیا تھا چند ماہ پہلے وزیر اعظم کہنے لگے ''آپ کی بات درست تھی ویسے بھی ہمیں پہلے ہی دن آئی ایم ایف کے پاس چلے جانا چاہئے تھا، پہلے وزیر خزانہ کے ابتدائی نو ماہ کا خمیازہ بھگت رہا ہوں وہ فاصلہ طے ہی نہیں ہو رہا۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ جتنا قرضہ پاکستان نے ساٹھ برسوں میں لیا اس سے کہیں زیادہ پچھلی دو حکومتوں نے لیا اس سلسلے میں فواد چودھری بتاتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک پاکستان نے قرضہ لیا صرف چھ ہزار ارب جبکہ ۲۰۰۸ء سے لیکر ۲۰۱۸ء تک یعنی دس برسوں میں ۲۳ ہزار ارب قرضہ لیا۔ ۲۰۰۸ء میں زرداری حکومت آئی اور ۲۰۱۸ء میں نواز شریف کی حکومت رخصت ہوئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۸ء تک جو چھ ہزار ارب قرضہ لیا اس سے ہم نے موٹرویز بنائے، گوادر خرید لیا، اسلام آباد کا شہر بنالیا، ہم نے طاقتور فوج، بحریہ اور فضائیہ بنالی، ڈیمز بنالئے، کئی ادارے، یونیورسٹیاں، ریڈیو اور ٹی وی سمیت بہت کچھ بنایا ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۸ء کے دس سال میں قرضہ تو ۲۳ ہزار ارب لیا مگر بنایا کچھ نہیں، اس سے ملکی معیشت پر بوجھ بڑھ گیا ہم نے دس ارب ڈالر قرضہ پچھلے سال اتارا، بارہ ارب ڈالر اس سال اتار رہے ہیں، جب آپ قرضے اتاریں گے تو مسائل کا سامنا تو کرنا پڑے گا۔

مہنگائی کے طوفان میں چند باتیں تسلیم کرنا پڑیں گی مثلاً ملکی تاریخ میں پچاس سال بعد تین بڑے ڈیم بن رہے ہیں، نوجوانوں کو کاروبار کے لئے قرضے دیئے جارہے ہیں، کسان کی حالت بہتر ہوئی ہے، وزیر اعظم کی یہ بات درست ہے کہ یورپ میں ہیلتھ انشورنس خریدی جاتی ہے مگر تحریک انصاف کی حکومت لوگوں کو مفت ہیلتھ انشورنس دے رہی ہے۔

سیاسی اور غیر سیاسی لوگوں میں فرق یہ ہے کہ آج فواد چودھری وزیر اعظم کو صاف بتارہے ہیں کہ ہمارا ووٹر تیس ہزار سے دو لاکھ ماہانہ کمانے والا ہے، ہماری حکومت نے اپنے ہی ووٹر پر بوجھ ڈالا ہے، اپنے ہی ووٹر کو ناراض کیا ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ امیر لوگ تو مافیا کا روپ دھار کر بہت کچھ سمیٹ رہے ہیں جبکہ غریبوں کے لئے 'احساس' سمیت کئی پروگرام ہیں مگر افسوس کہ مڈل کلاس یا سفید پوش طبقے کے لئے کچھ بھی نہیں۔

سرور خان پٹرولیم کے وزیر تھے انہیں جب بھی قیمتیں بڑھانے کے لئے کہا جاتا تو وہ کہتے کہ میں سیاسی آدمی ہوں، مجھے عوام کا سامنا کرنا ہے، عوامی مزاج کے خلاف کیسے جاسکتا ہوں''۔ سرور خان کے دور میں جو خسارہ بتیس ارب تھا اب وہ آٹھ سو ارب تک پہنچ گیا ہے، سرور خان کے دور کا خسارہ دراصل خسارہ نہیں تھا بلکہ یہ بتیس ارب حکومت کی سبسڈی کی رقوم کی ادائیگی نہ ہونے کے باعث تھا۔ بعد میں ندیم بابر اور تابش گوہر جیسے غیر سیاسی لوگ خسارے کو آٹھ سو ارب تک لے گئے۔ پچھلے دو سال میں او جی ڈی سی ایل اور پی پی ایل اپنے ٹارگٹ پورے نہیں کرسکے بلکہ انہوں نے ایک بھی ڈرلنگ نہیں کی۔

ڈالر کی اونچی اڑان میں حکومتی معاشی ٹیم کی ناکامی بول رہی ہے۔ اسٹیٹ بینک کے گورنر رضا باقر نائیجیریا اور مصر میں بہت کچھ کرکے آئے ہیں اب وہ پاکستان میں بھی وہی کھیل، کھیل رہے ہیں، عاصمہ جہانگیر کے اس رشتہ دار کو آئی ایم ایف میں تاحیات پنشن کے قابل بننے کیلئے ابھی دو سال کا عرصہ درکار ہے لہٰذا یہ دو سال تو وہ آئی ایم ایف ہی کے وفادار رہیں گے، آخر پچیس ہزار ڈالر ماہانہ پنشن کا مسئلہ ہے پھر یہ پنشن تاحیات بھی ہے۔ ڈالر کی پرواز میں دوسرے قصوروار رزاق داؤد ہیں وہ اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے کاروبار کا تحفظ کرنے کے چکر میں ملکی معیشت کی پروا نہیں کر رہے، آج سارا پریشر درآمدات کی وجہ سے ہے۔ ذاتی کاروباری مفاد کی وجہ سے ڈالر اوپر جارہا ہے۔ تیسرے قصوروار وزیر خزانہ ہیں جو افراط زر کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہوئے ہیں اسی وجہ سے عام آدمی متاثر ہورہا ہے، پچھلے سال جو کسان خوش تھا آج کھاد کے ہاتھوں وہ بھی پریشان ہے، عمران خان کو اپنی معاشی ٹیم میں ٹیکنو کریٹس نہیں سیاسی لوگ شامل کرنے چاہئیں۔ بقول اقبال:

سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

امن و اتحاد ہے ہندو پاک کی ترقی کا ضامن

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندستان کو آزادی ایسی حالت میں ملی کہ ملک دولخت ہو چکا تھا۔ ملک کی یہ تقسیم چونکہ نفرت اور قتل و غارتگری کے سایہ میں ہوئی تھی اس لیے دونوں ملک آزادی کے پہلے دن سے ہی ایک دوسرے کے مقابل کھڑے نظر آ رہے ہیں اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ آج جبکہ اس تقسیم پر پچھتّر برس کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی ذہنی و فکری حالات تقریباً وہی ہیں جو پون صدی پہلے تقسیم کے وقت تھے۔ تقسیم وطن کے نتیجے میں تبدیلی آبادی کے عمل میں قتل و غارتگری کے جو مناظر دیکھنے کو ملے تھے وہ کس قدر بھیانک تھے آج انھیں محض سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہزار ہا ہزار بے قصور لوگ اس تقسیم کا شکار ہوئے، اربوں کھربوں کی دولت لٹی اور دونوں ملکوں کے لوگوں کے دلوں میں نفرت و عداوت کا اس وقت جو بیج بویا گیا تھا آج وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ایک معمولی سی چنگاری بھی خرمن امن کو لہولہان کر دینے کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ اب پاکستان بھی دو ٹکڑے ہو چکا ہے اور مشرقی پاکستان ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے نام سے ایک نئی ملکی شکل اختیار کر چکا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ہندستان ہو، پاکستان ہو یا بنگلہ دیش، ابھی تک اپنے آپ کو تقسیم کی ذہنیت سے باہر نکال پانے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ ابھی حال ہی میں بنگلہ دیش میں درگا پوجا کے موقع پر کسی احمق کی حماقت کے نتیجے میں بعض ناسمجھ اور ناپختہ ذہن مسلم نوجوانوں کی طرف سے مندروں پر حملہ اور اس کے ردّ عمل کے طور پر تری پورہ میں مسلم عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور توڑ پھوڑ کی شکل میں جو کچھ ہوا وہ اسی نفرت و عداوت کا نتیجہ ہے جو تقسیم وطن کے وقت ایک زہر کی شکل میں برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں ڈالا گیا تھا اور جو آج رہ رہ کر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بنا ہوا ہے۔

آزادی کے بعد ہی بہت سے اربابِ فکر و نظر کی یہ رائے تھی کہ اس غیر فطری تقسیم کے نتیجے میں دونوں ملک جس صورتِ حال سے دوچار ہو رہے ہیں اس کا حل یہی ہے کہ دونوں ملک تقسیم کی سچائی کو تسلیم کرتے ہوئے اور اپنا آزاد وجود برقرار رکھتے ہوئے ایک ایسی کنفیڈریشن کے حصہ دار بن جائیں جو دونوں ملکوں کے درمیان رونما ہونے والے بدبختانہ تنازعات کے حل میں مددگار ہو سکے۔

ہندستان کی آزادی کے کچھ ہی سال بعد سماجوادی رہنما اور مفکر ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک جیسی تہذیب رکھنے والے ہندستان اور پاکستان کی ایک مشترکہ تنظیم قائم ہونی چاہیے جس کے ذریعہ دونوں ممالک باہمی تنازعات کا تصفیہ کرتے ہوئے اپنے اپنے ملک کے عوام کی معاشی اور سماجی ترقی کا کام اجتماعی طور پر کر سکیں۔ اس وقت اس تجویز کی حمایت ہندستان میں جن سنگھ مکتبہ فکر کے مفکر سمجھے جانے والے رہنما پنڈت دین دیال اپادھیائے نے بھی کی تھی۔ اسی تجویز کو پرجا سوشلسٹ پارٹی کے بڑے مفکر و لیڈر پروفیسر ایم وی کامتھ نے بھی آگے بڑھانے کی کوشش کی تھی لیکن اسے ملک کی اکثریت کی آواز اس وقت سمجھا گیا جب ۲۹ر اپریل ۲۰۰۴ء کو بی جے پی کے موجودہ بزرگ رہنما اور مارگ درشک جناب لال کرشن آڈوانی نے پاکستان کے انگریزی اخبار 'ڈان' کو دیئے گئے اپنے ایک انٹرویو میں اس تجویز کو زندہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کے خیال میں ہند-پاک کونسل کا تصور سچ ہو سکتا ہے اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب دونوں ممالک یہ سوچیں گے کہ تقسیم سے مسائل کا حل نہیں نکل سکتا، تو کیوں نہ دونوں ممالک ایک ساتھ مل کر کوئی مشترکہ کونسل یا کوئی دوسرا اتحاد قائم کر لیں۔

مسٹر ایڈوانی اس وقت ملک کے نائب وزیر اعظم تھے اور انھوں نے یہ رائے آفیشیل طور پر پیش کی تھی، اس سے قبل ہندستانی پارلیمنٹ میں بھی پاکستان کے موضوع پر مسٹر آڈوانی نے ہندو پاک مشترکہ کونسل کی ڈاکٹر لوہیا کی تجویز کا ذکر کیا تھا اور حالانکہ ملک کے شدت پسند عناصر نے بڑی شدت کے ساتھ اس پر نکتہ چینی کی تھی مگر ملک میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جنھوں نے مسٹر آڈوانی کے اس خیال کی تائید کی تھی۔ آج جموں و کشمیر میں جب ہندستان کی فوجیں پاک حامی انتہا پسندوں کو ختم کرنے کی مہم چلا رہی ہیں تو عام ہندستانی کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر جموں و کشمیر میں دفعہ ۳۷۰ ختم کرنے کے باوجود شدت پسندی اور قتل و غارت گری نہیں رک پا رہی ہے اور پاکستان اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہا ہے تو آخر اس کا دوسرا حل کیا ہونا چاہیے؟

ظاہر ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک ہندستان اور پاکستان کے درمیان چار مرتبہ جنگ ہو چکی ہے۔ ۱۹۴۷ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء اور ۱۹۹۹ء، مگر کشمیر کا مسئلہ جوں کا توں دردسر بنا ہوا ہے جس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے مابین تعلقات پیچیدہ بنے ہوئے ہیں۔ یہاں یہ سوال بہت اہم ہے کہ آخر پاکستان ہندستان سے ناراض کیوں ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے اس کے تمام شہری ہندستانی شہری ہی تھے مگر تقسیم کے باوجود پاکستان نے ہندستان کی طرف کبھی مخلصانہ جذبہ کے ساتھ دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا اور ہمیشہ یہی کوشش کی کہ تلخی ختم نہ ہو۔

دراصل دونوں ملکوں کے درمیان یہ دشمنی دونوں ملکوں کے عوام کے تہذیبی اتحاد کی قربانی دے کر بڑھائی گئی تھی تاکہ پاکستان کے وجود کا جواز باقی رہے۔ بیشک پاکستان ایک خودمختار اور آزاد ملک ہے، وہ خوشحال بھی ہے مگر برصغیر میں امن و امان اور خوشحالی بنائے رکھنے کے مقصد سے پاکستان یوروپی یونین جیسی پالیسی کی تقلید کر کے ہندستان کے ساتھ تمام تنازعات اس طرح حل کر سکتا ہے کہ فوج کا استعمال ہی بیکار لگنے لگے۔ دراصل اس راہ میں پاکستان کی فوج اور ہندستان کے ایک مخصوص طرزِ فکر کے حامل کچھ لوگ بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، جو ہندو مسلمان کے نام پر دونوں ملکوں میں دشمنی کا جذبہ جگائے رکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہاں اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک پاکستان نے جنگی ساز و سامان پر جو خرچ کیا ہے اور اس سے نمٹنے کے لیے ہندستان کو جتنا خرچ کرنا پڑا ہے اگر یہی ان دونوں ملکوں نے اپنے ملک کے عوام کی ترقی اور خوشحالی پر لگایا ہوتا تو آج ان کو دوسرے ممالک کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا۔ خاص طور پر اس لیے پاکستان کو سوچنا ہوگا کہ وہ جس راستہ پر گامزن ہے وہ بربادی کا راستہ ہے، کیونکہ چاہتے ہوئے بھی وہ پاکستان کی اس حقیقت کو نہیں بدل سکتا جو ہندستانیت کے رنگ سے آج تک شرابور ہے۔ یہ ہندستانیت وہی ہے جو ۱۸۵۷ء کی پہلی تحریک آزادی کے دوران تھی جب ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر انگریزی حکومت کے خلاف جہاد چھیڑا تھا۔ ہندو پاک کنفیڈریشن کی سوچ میں ان سبھی مسائل کا آخری حل اس طرح نکل سکتا ہے کہ دونوں ممالک مل کر اپنی زمینی طاقت کو آواز دیتے ہوئے دنیا میں سر اُٹھا کر چلیں۔ جب یوروپ کے تمام ملک مل کر اپنی شناخت الگ الگ قائم رکھتے ہوئے ایک اکائی کی شکل میں اپنی مکمل ترقی کی راہ تلاش کر سکتے ہیں تو ہندو پاک کیوں اس راستہ پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔

آج عالمی سطح پر ہندو پاک کی جو سیاسی و معاشی صورتِ حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سیاسی و معاشی سطح پر پاکستان تو ہندستان سے بھی کمزور ہے۔ یہ دونوں ملک اپنے ذرائع و مسائل کو اگر اپنی تعمیر و ترقی پر خرچ کریں تو نہ پاکستان کو چین جیسے خودغرض ملک کا دست نگر ہونا پڑے اور نہ ہی ہندستان کو عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ کا شکار ہونا پڑے۔ دنیا کے جن ملکوں نے امن و اتحاد کا یہ فلسفہ سمجھ لیا ہے وہ بہرحال آج پوری ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ ☐☐

جواہر القرآن

سورۂ سجدہ-۳۲ | ترجمہ آیات: ۲۵-۲۶ | **حضرت شیخ الہندؒ**

○ تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں (ف ۱)

○ کیا ان کو راہ نہ سوجھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر ڈالیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ ان کے گھروں میں اس میں بہت نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں (ف ۲)

فوائد: ———— **علامہ شبیر احمد عثمانیؒ**

ف ۱ یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، ہاں دنیا میں بھی کئی مثالیں ایسی دِکھائی جا چکی ہیں کہ آدمی انھیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت کر سکتا ہے، کیا عاد و ثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈرات اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور کیا ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ان کو تنبہ نہ ہوا اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔

ف ۲ یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔

انوارِ احادیث

• حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ لوگوں سے محبت فرماتے ہیں تو ان کو (مصیبتوں میں ڈال کر) آزماتے ہیں، چنانچہ جو صبر کرتا ہے اس کے لیے صبر (کا اَجر) لکھ دیا جاتا ہے اور جو بے صبری کرتا ہے تو اس کے لیے بے صبری لکھ دی جاتی ہے (پھر وہ روتا پیٹتا ہی رہتا ہے) (مسند احمد، مجمع الزوائد)

• حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی میں اپنے رب کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: میں اپنے بندوں میں سے کسی مؤمن بندے کو (کسی مصیبت، پریشانی، بیماری وغیرہ میں) مبتلا کرتا ہوں اور وہ میری طرف سے اس بھیجی ہوئی پریشانی پر (راضی رہتے ہوئے) میری حمد و ثنا کرتا ہے تو (میں فرشتوں کو حکم دیتا ہوں کہ) اس کے ان تمام نیک اعمال کا ثواب ویسے ہی لکھتے رہو جیسا کہ تم اس کی تندرستی کی حالت میں لکھا کرتے تھے۔ (مسند احمد، طبرانی، مجمع الزوائد)

• حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پوری سچائی اور امانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

لاکھوں لوگوں کی قربانی کے بعد ملنے والی آزادی

فلم اداکارہ کنگنا رناوت کی نظر میں تھی بھیک

کیا مودی حکومت اسی بھیک کا جشن منا رہی ہے؟

صفحہ اوّل کا بقیہ

کانگریس کا پہلا اجلاس ۲۸؍دسمبر ۱۸۸۵ء کو ممبئی میں ہوا جس کی صدارت بیومیش چندر بنرجی نے کی تھی۔ اس میں صرف ۷۲ لوگوں نے حصہ لیا تھا۔ جلد ہی نظریاتی اختلافات کی بناپر کانگریس دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک حصہ ان لوگوں کا تھا جو آئینی تدابیر سے ہندستانیوں کے حالات بہتر کرنا چاہتے تھے، ان کا برطانیہ کی انصاف پسندی میں پورا یقین تھا اور ان لوگوں کا مقصد کبھی بھی مکمل آزادی نہیں رہا۔ گوپال کرشن گوکھلے، فیروز شاہ مہتا، دادا بھائی نوروجی، سریندر ناتھ بنرجی وغیرہ اس گروپ کے اہم افراد تھے۔ دوسری طرف تھے بال گنگادھر تلک، لالہ لاجپت رائے، وپن چندر پال وغیرہ جو ہندستان کی مکمل آزادی کی بات کرتے تھے اور آخرکار یہ اختلافات ۱۹۰۷ء کے سورت کے اجلاس میں کھل کر سامنے آئے اور کانگریس باقاعدہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ معاہدے میں یہ دونوں حصّے دوبارہ ایک ہوگئے۔

اسی درمیان محترمہ اینی بیسنٹ نے تلک کے ساتھ مل کر ۱۹۱۵ء میں ہوم رول تحریک چلائی جس کا مقصد ہندستانیوں کو ان کا پیدائشی حق سوراج یعنی اپنی حکومت کی تشکیل دلانا تھا۔ ۱۹۱۵ء میں ہی مہاتما گاندھی ہندستان لوٹے۔ ۱۹۱۶ء میں انھوں نے احمد آباد کے پاس سابرمتی میں آشرم قائم کیا۔ ہندستان کی جنگ آزادی میں گاندھی جی کا داخلہ بہار کے چمپارن ضلع سے ہوا۔ وہاں نیل کے کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں پر انگریز بہت زیادہ ظلم کرتے تھے۔ گاندھی جی، ڈاکٹر راجندر پرساد، مظہر الحق، اچاریہ جے بی کرپلانی اور مہادیو دیسائی کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں چمپارن پہنچے اور کسانوں کی حمایت میں آواز اُٹھائی اور آخرکار حکومت کو کسانوں کے کچھ مسائل حل کرنے پڑے۔

انگریزوں کے مظالم نے ۱۹۱۹ء میں ایک اور کروٹ لی۔ رولٹ ایکٹ نام کا ایک کالا قانون پاس ہوا جس کے مطابق جس شخص پر باغی ہونے کا شک ہو، اس کو گرفتار کر کے بغیر مقدمہ چلائے دو سال تک قید میں رکھا جاسکتا تھا۔ اسی سال ۱۳؍اپریل کو خاص بیساکھی کے دن جلیانوالہ باغ میں ایک اجتماع کو جنرل ڈائر نے غیر قانونی بتا کر اس نہتے مجمع پر گولی چلانے کا حکم دیا۔ کئی سولوگ مارے گئے جن میں عورتیں اور معصوم بچے بھی شامل تھے۔ ستمبر ۱۹۱۹ء میں علی برادران یعنی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مولانا آزاد، حکیم اجمل خاں اور مولانا حسرت موہانی کی رہنمائی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ۲۴؍نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں گاندھی جی کو مدعو کیا گیا۔ کانگریس کی مکمل حمایت اور تحریک عدم تعاون کے ساتھ ساتھ اس تحریک کا بھی تحریکِ آزادی ہند میں بہت اہم رول ہے۔ خلافت کے اسی اجلاس کے موقع پر دہلی میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کی تحریک پر جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا جس نے تحریک آزادی میں ایک نئی جان ڈال دی۔

ستمبر ۱۹۲۰ء میں لالہ لاجپت رائے کی صدارت میں ہوئے کانگریس کے خاص اجلاس میں گاندھی جی نے اپنی مشہور زمانہ تحریک عدم تعاون پیش کی۔ سی آر داس، پنڈت مالویہ، وپن چندر پال، مسٹر جناح وغیرہ کی زبردست مخالفت کے باوجود جمعیۃ علماء ہند کی تائید کے بعد گاندھی جی کی یہ تحریک پاس ہوئی۔ چوری چورا میں ۵فروری ۱۹۲۲ء کو کانگریس اور خلافت کمیٹی کے کارکنوں نے ایک جلوس نکالا۔ جلوس کے شرکاء کے ساتھ پولیس کی بدسلوکی پر مجمع مشتعل ہوگیا اور بھیڑ نے تھانے میں آگ لگادی جس کے نتیجہ میں تقریباً ۲۲ پولیس والے مارے گئے۔ اس حادثے نے گاندھی جی کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے ۱۲؍فروری کو تحریک واپس لے لی۔

۸؍نومبر ۱۹۲۷ء کو حکومت برطانیہ نے ہندستان میں آئینی اصلاحات پر غور کرنے کے لیے ایک کمیشن بنایا۔ سرسائمن کی صدارت میں بنے اس کمیشن کو سائمن کمیشن کہا جاتا ہے۔ کمیشن میں ایک بھی ہندستانی ممبر نہ ہونے کی وجہ سے دسمبر ۱۹۲۷ء میں مدراس میں ہوئے کانگریس کے اجلاس میں اس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔ ۳؍فروری ۱۹۲۸ء کو جب کمیشن ممبئی پہنچا تو وہاں مکمل ہڑتال تھی اور کمیشن کے ممبران کو سیاہ جھنڈے دکھائے گئے۔ ”سائمن واپس جاؤ“ کا نعرہ چاروں طرف گونج رہا تھا۔ سائمن کمیشن کے خلاف ایک مظاہرے میں لاہور میں شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے کو پولیس کی لاٹھیوں کا شکار ہونا پڑا جس سے ان کی موت ہوگئی۔

موتی لال نہرو کی صدارت میں آئین کی تدوین کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جولائی ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ پیش کی گئی۔ نہرو رپورٹ پر غور وفکر کیلئے اگست ۱۹۲۸ء میں لکھنؤ میں ایک اجلاس ہوا جس میں جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے رہنماؤں نے 'مکمل سوراج' کو کانگریس کا مقصد قرار دیا۔ پھر پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں ۱۹۲۹ء میں لاہور میں کانگریس کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس میں نہرو رپورٹ کی سفارشات نہ منظور کرنے کی وجہ سے مکمل سوراج کی قرارداد پاس کی گئی۔ ۳۱؍دسمبر ۱۹۲۹ء کو آدھی رات کے وقت راوی کے کنارے ترنگا لہرایا گیا اور ۲۶؍جنوری ۱۹۳۰ء کو یومِ آزادی کے طور پر منایا گیا۔

فروری ۱۹۳۰ء میں سابرمتی آشرم میں ہوئی کانگریس کی ایک میٹنگ میں مہاتما گاندھی کو سول نافرمانی تحریک چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ گاندھی جی نے اسی اثنا میں لارڈ اِرون کو ۱۱ نکات پر مشتمل ایک خط سونپا۔ لارڈ اِرون نے اس خط پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ اسی سبب گاندھی جی نے ۱۲؍مارچ ۱۹۳۰ء کو سابرمتی سے اپنے ۷۸ ساتھیوں کے ساتھ ڈانڈی تک کا ۳۲۲ کلومیٹر لمبا سفر شروع کیا اور ۶؍اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح انھوں نے ایک مٹھی نمک لے کر انگریزوں کے نمک قانون کی خلاف ورزی کی۔ گاندھی جی کی سول نافرمانی کی یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی۔ جمعیۃ علماء ہند، خان عبدالغفار کی خدائی خدمت گار اور لال کرتی تحریک نے سول نافرمانی تحریک کو اور زیادہ تقویت بخشی۔

اس تحریک کو دبانے کیلئے ہندستان کے کونے کونے میں انگریزوں کے مظالم بڑھ گئے۔ چوٹی کے لیڈر گرفتار کیے گئے لیکن انگریز اس تحریک کو دبانے میں ناکام رہے۔ آخرکار انگریز حکومت نے گاندھی جی کو رہا کردیا اور مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی، اِرون معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے مطابق گاندھی جی نے تحریک سول نافرمانی ملتوی کردی اور دوسری گول میز کانفرنس میں کانگریس کی نمائندگی گاندھی جی نے کی۔ یہ کانفرنس ۷؍ستمبر ۱۹۳۰ء کو شروع ہوئی لیکن ناکام رہی۔ اسی درمیان برطانوی وزیر اعظم نے ”پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو“ پالیسی کے تحت ۱۹۳۲ء میں یہ فیصلہ کیا کہ اچھوت کہلانے والے لوگوں کو ہندوؤں سے الگ مانا جائے گا اور انتخابات میں ان کو الگ نمائندے منتخب کرنے کا اختیار ہوگا۔ گاندھی جی نے اس کے خلاف بھوک ہڑتال شروع کردی۔ آخر میں ہندوؤں اور ہریجنوں کے لیڈروں کی کوششوں سے مشہور 'پونہ سمجھوتہ' (۱۹۳۲ء) ہوا جس میں ہریجنوں کے الگ نمائندے منتخب کرنے کے بجائے سیٹوں کے ریزرویشن کی بات مانی گئی۔ برطانوی حکومت نے بھی اسے مان لیا۔ آزادی کی متعدد تحریکوں کے بطن سے ایک ایسی تحریک اُبھر کر آئی جس نے برطانوی حکومت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں یہ تحریک تھی ”بھارت چھوڑو تحریک۔“

۸؍اگست ۱۹۴۲ء کو اے آئی سی سی نے پوری اکثریت سے بھارت چھوڑو تحریک کی قرارداد منظور کی۔ اسی رات کانگریس ورکنگ کمیٹی کو حراست میں لے لیا گیا اور ان کو آغا خاں محل اور احمد نگر کے قلعے میں نظر بند کردیا گیا۔ دوسرے دن سے ہی یہ تحریک ملک بھر میں پوری شدومد کے ساتھ شروع ہوگئی۔ ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق اس جدوجہد میں شامل عوام نے ۲۰۸ پولیس اسٹیشنوں، ۳۳۲ ریلوے اسٹیشنوں، ۹۴۵ ڈاک گھروں کو تباہ و برباد کردیا۔ اس تحریک کو کچلنے کے لیے حکومت وقت نے سفّاکانہ دہشت کا سہارا لیا۔ سرکاری اندازوں کے مطابق پولیس اور فوج کی گولیوں سے ۹۴۰، افراد شہید ہوئے اور ۱۶۳۰، افراد بری طرح زخمی ہوئے۔ ۱۹۴۲ء کے اواخر تک گرفتار ہونے والے افراد کی تعداد ۶۰۲۲۹ تھی اور وہ افراد جن کو بغیر مقدمہ چلائے قید میں رکھا گیا ان کی تعداد ۱۸۰۰۰ تھی۔

اس تحریک میں اس قدر شدت تھی کہ ہندستان کے کچھ علاقوں میں برطانوی حکومت وقتی طور پر ختم بھی ہوگئی تھی۔ بنگال کے ناملوک، یوپی کے بلیا اور مہاراشٹر کے ستارا اضلاع میں قومی حکومت بھی قائم ہوگئی تھی۔ برطانوی حکومت نے اس تحریک کو دبانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا لیکن تحریک شدت اختیار کرتی گئی اور اس نے تشدد کا رُخ بھی اختیار کرلیا۔ بالآخر یہ تحریک طاقت کے ذریعہ کچل دی گئی۔ بھارت چھوڑو تحریک کی شدت نے انگریزوں کو یہ واضح طور پر سمجھا دیا کہ ان کا یہاں مزید قیام ممکن نہیں ہے۔ انھوں نے اب معاہدوں کا راستہ اپنایا۔ سی آر پلان اور ویول پلان (شملہ معاہدہ ۱۹۴۵ء) اس سمت اٹھائے گئے ناکام قدم تھے۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانیہ کی نومنتخب حکومت نے کیبنٹ مشن ہندستان بھیجا۔ اس مشن کا مقصد قومی حکومت کے قیام کے لیے گفت وشنید کرنا تھا۔ تقسیم کے سوال پر کانگریس کا ماننا تھا کہ تقسیم اگر لازمی ہی ہے تو اس کا فیصلہ آزادی کے بعد ہونا چاہیے جبکہ مسلم لیگ کی ضد تھی کہ پہلے تقسیم، اس کے بعد آزادی، مسلم لیگ نے مشن کا پلان اس حد تک قبول کرلیا جس حد تک اس میں پاکستان کو منظوری دی گئی تھی۔

۲۰؍فروری ۱۹۴۷ء کو ایٹلی نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت جون ۱۹۴۸ء تک ہندستان کو آزاد کردے گی۔ نئے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کا اعلان کیا گیا اور اس طرح ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ہندستان پہنچنے کے دو ماہ کے اندر ہی ماؤنٹ بیٹن نے اپنی پالیسی وضع کی۔ یہ پالیسی ہندستان کو دوہری ڈومینین حیثیت دینا اور ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء تک حکومت کی منتقلی تھی۔ یہ تاریخ کا المیہ ہے کہ فرقہ واریت جس کو برطانوی حکمرانوں نے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے استعمال کیا تھا وہی فرقہ واریت ان کی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنی۔ آخرکار جدوجہد سے بھری تاریخ کا وہ وقت بھی آ گیا جب ”تمام جہاں سویا ہوا تھا لیکن ہندستان جاگ رہا تھا اور آزادی حاصل کر رہا تھا“ اور ۱۴؍اور ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کی نصف شب کو آزادی اور تقسیم کی دوہری حقیقت اس برصغیر کی تاریخ میں لکھ دی گئی۔ ایک لمبی جدوجہد اور بے شمار لوگوں کی قربانی سے بھرے دور نے ہم کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کردیا۔

آزاد کا ہر لمحہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لمحہ نئی مرگِ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات

ہم جہاں پیام ابدیت کے لمحات پانے میں کامیاب ہوئے وہیں مرگِ مفاجات سے بھی محفوظ ہوگئے اور آخرکار ۱۸۵۷ء میں جو چنگاری شعلہ بنی تھی اس کی آگ نے سلطنت برطانیہ کی طنابیں جلاکر راکھ کردیں۔ ۱۹۴۷ء تک ہندستان نے بازوئے قاتل کے زور کو بار بار چیلنج کیا اور سرفروشی کی تمنا نے غیر ملکی حکومت کو ہندستان سے اکھاڑ پھینکا۔

یہ کس قدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ وطن سے محبت کرنے والے لاکھوں سرفروشوں نے جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی، امیر بھی تھے غریب بھی، اپنے خون کا دریا بہا کر آزادی کی جس نعمت کو حاصل کیا تھا آج ہمارے ملک کے کچھ ناسمجھ اور بھیک کی کوڑیوں پر پلنے والے لوگ اس آزادی کو بھیک قرار دے کر اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ فلم اداکارہ کنگنا رناوت بھی انہیں لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے مودی حکومت سے پدم شری ایوارڈ ملنے کے بعد کہا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک کو آزادی نہیں بلکہ بھیک ملی تھی۔ اصلی آزادی ملک کو ۲۰۱۴ء میں ملی ہے جو پوری طرح ملک کی آزادی کے لیے قربان ہوجانے والے لاکھوں مجاہدین آزادی کی توہین ہی نہیں بلکہ ملک کے ساتھ کھلی غداری ہے۔ بی جے پی کے ہی لیڈر ورون گاندھی کا یہاں یہ سوال بھی کافی اہم ہے کہ میں کنگنا کی اس بکواس کو غداری کہوں یا پاگل پن؟ ورون گاندھی نے کچھ چشم پوشی سے کام لیا جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کھلی غداری ہے۔

یہ ستم ظریفی بھی ملاحظہ کرتے چلیں کہ ایک طرف تو مودی حکومت آزادی کا پچھتّر سالہ جشن منا رہی ہے اور دوسری طرف مودی بھکت آزادی کو بھیک قرار دے رہے ہیں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ آخر ہمارے وزیر اعظم خاموش کیوں ہیں، کیا وہ نہیں جانتے کہ ان کی خاموشی ایسے لوگوں کو خوراک مہیا کررہی ہے، اگر وزیر اعظم مودی کو اپنے ان بھکتوں سے اتفاق نہیں ہے تو انھیں خاموشی توڑ کر ایسی بکواس پر لگام لگانا چاہیے اور اگر وہ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں جس کی ہمیں بہرحال امید نہیں ہے تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ □□

وطن سے محبت کرنے والے لاکھوں سرفروشوں نے جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی، امیر بھی تھے غریب بھی، اپنے خون کا دریا بہا کر آزادی کی جس نعمت کو حاصل کیاتھا آج ہمارے ملک کے کچھ ناسمجھ اور بھیک کی کوڑیوں پر پلنے والے لوگ اس آزادی کو بھیک قرار دے کر اس کا مذاق اڑا رہے ھیں۔ فلم اداکارہ کنگنا رناوت بھی انہیں لوگوں میں شامل ھیں جنھوں نے مودی حکومت سے پدم شری ایوارڈ ملنے کے بعد کہا ھے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک کو آزادی نہیں بلکہ بھیک ملی تھی۔ اصلی آزادی ملک کو ۲۰۱۴ء میں ملی ھے جو پوری طرح ملک کی آزادی کے لیے قربان ھوجانے والے لاکھوں مجاھدین آزادی کی توھین ھی نہیں بلکہ ملک کے ساتھ کھلی غداری ھے۔ بی جے پی کے ھی لیڈر ورون گاندھی کا یہاں یہ سوال بھی کافی اھم ھے کہ میں کنگنا کی اس بکواس کو غداری کھوں یا پاگل پن؟

میزان

مولانا عبدالحمید نعمانی

وطنی وتہذیبی تناظر میں مختلف ومتصادم مسائل کی تفہیم

سنگھ کی سرپرستی اور اس سے الگ ہندوتو وادی عناصر ملک میں جس طرح کا ماحول بنارہے ہیں اور جس رنگ میں بھارت کی نقشہ گری کی مہم چلائی جارہی ہے حتیٰ کہ ازسرنو تاریخ نویسی کا سلسلہ شروع کا کیا گیا ہے، اس کے تناظر میں کئی طرح کے سوالات اوران کے جوابات پانے پرتوجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے۔معروف ہندومسلم تنظیموں اورشخصیات کی طرف سے اپنے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرکے ملک میں درپیش مسائل کے حل کی تلاش کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں، حالانکہ ۳۰؍اکتوبر ۲۰۲۱ءکو دھارواڑ میں سنگھ کے آل انڈیا ایگزیکٹیو بورڈ کے اجلاس کے اختتام کے بعدکئی قابل غور باتیں سامنے آئی ہیں۔اگرچہ مرکز اورکئی ریاستوں میں سنگھ کی مرضی ومقصد کے مطابق سرکاریں ہیں، تاہم اس کو لگتا ہے کہ ابھی تک منزل تک رسائی نہیں ہو پائی ہے۔اس کے پیش نظر سنگھ ایگزیکٹیو بورڈ میں فیصلے کیے گئے ہیں کہ سنگھ کی سرگرمیوں کوتوسیع دی جائے۔ فی الحال ۶۴۸۳ ترقیاتی بلاکس میں سے ۴۶۸۳ میں سنگھ کی موجودگی ہے۔۲۰۲۴ء میں جبکہ لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہیں تو اس کا ماہ مارچ تک تمام ترقیاتی بلاکس تک رسائی کا پختہ پروگرام وعزم ہے۔سنگھ کی آئیڈیالوجی سے وابستہ جوافراد پورے ملک میں اس کی بنیاد پرتوسیع کرنے کے لیے دوسال تک رضا کارانہ طور پرکام کرنے اور ۲۰۲۵ءتک سنگھ کے سو سال پورے ہونے پرتمام ترقیاتی بلاکس میں اپنی موجودگی کو یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ کشمیر، لکش دیپ، میزورم، ناگالینڈ وغیرہ میں سنگھ کی سرگرمیاں نظرنہیں آتی ہیں۔ یہ مطلوبہ سطح پراس کے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹ ہے،اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے سنگھ کی طرف سے کئی جہات سے کوششیں کی جارہی ہیں۔ان پر حالیہ سہ روزہ اجلاس میں بھی غوروخوض کرکے منصوبہ بندی کی گئی ہے۔اگرچہ ۵۵۰۰۰ مقامات پر یومیہ شاکھائیں چلائی جارہی ہیں تاہم ان کو ناکافی تصور کرتے ہیں۔ کچھ مزید جذباتی چیزوں کو پروگرام میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اسی کے تحت تحریک آزادی کے حوالے سے کچھ گمنام ہیروز کے تعاون کے نام پر کچھ نمائشیں منعقد کرنے کا پروگرام بھی ہے۔ اس سے گرو تیغ بہادر کوخراج عقیدت پیش کرنے کے عنوان و بہانہ سے مختلف قسم کے پروگرام کو جوڑنے کا کام بھی ہے۔

سنگھ کے ایگزیکٹیو بورڈ کے کئی فیصلوں سے فرقہ وارانہ پہلو کو اُبھارنے کی کوششیں ہوتی نظر آتی ہیں۔ملک کی آبادی سے متعلق پالیسی، دیوالی پر پٹاخوں پر پابندی سے اختلاف اور تریپورہ کے ہندوتوادی نفرت انگیز حملے کو پوری طرح نظرانداز کرکے بنگلہ دیش کی ہندو اقلیت پر حملے اور تبدیلی مذہب کے معاملے کو جس رنگ، ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے اس سے آنے والے دنوں کا نقشہ و نقوش بہت نمایاں ہوکر سامنے آگئے ہیں۔ سنگھ

> خودکوخطرے میں ہونے کے مفروضہ کے پیش نظرہی سنگھ کے ۹۶ویں یوم تاسیس کے موقع پرسنگھ سربراہ بھاگوت نے کہا کہ ہندوؤں کا طاقتور ہونا ضروری ہے اور طالبان سے الرٹ رہیں۔اس طرح کی سنگھ اور دیگرساورکراور جناح وادی عناصر کی طرف سے تشہیری مہموں کے پیش نظر ملک کی بڑی مسلم تنظیم جمعیۃ علماء ہند نے ملک کے سامنے کئی سوالات رکھتے ہوئے غوروفکراور افہام وتفہیم کے درکو ازسرنو وا کرنے کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

سمیت دیگر تمام ہندوتو وادی تنظیموں اوراشخاص کو اب بھی کئی طرح کے نظریاتی وعملی بحران اور آدرش کے عملی نمونے کو لے کر بنیادی سوالات کا سامنا ہے۔خود کے اندر مثبت بنیادوں کے فقدان نے خارج کے منفی، متصادم، مفروضہ اور بھیانک مناظر سے اکثریت کودہشت زدہ کرکے اپنے ساتھ کرنے اور رکھنے کے لیے مجبور کردیا ہے۔رجالی قحط اور مثبت نظریاتی بنیاد سے محرومی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جونا اکھاڑا جیسے وسیع ادارے کا مہامنڈلیشور یتی نرسنہا نند جیسے اخلاقی وفکری طور سے عاری آدمی کو بنا دیا گیا ہے۔جنوبی ریاست کیرل کے متعلق بی جے پی لیڈر اور سابق مرکزی وزیر کے جے الفونس نے کہا کہ ریاست افغانستان بن رہی ہے اور یہاں طالبان کا ماحول بنایا جارہا ہے۔کیرل بی جے پی کے جنرل سکریٹری جارج کورین نے مرکزی وزیر داخلہ کو خط لکھ کر مطالبہ کیا ہے کہ ریاست میں جہاد کی سرگرمیوں پر روک لگائی جائے۔ یتی نرسنہا نند جیسے درجنوں سادھو بن کر یہ شیطانی پروپیگنڈہ کرتے پھررہے ہیں کہ اگر ہندو شاستر اور شستر (ہتھیار) کے ساتھ اُٹھ کھڑے نہیں ہوئے تو سناتن ہندو دھرم اور ہندو معرض خطر میں پڑجائیں گے،تو وہیں دوسری طرف مرکزی سرکار نے ناگپور کے موہنیش جبل پورے کی ایک آر ٹی آئی کے جواب میں کہا کہ ہندو دھرم خطرے میں ہونے کی بات محض مفروضہ ہے۔خود کو خطرے میں ہونے کے مفروضہ کے پیش نظر ہی سنگھ کے ۹۶ویں یوم تاسیس کے موقع پر سنگھ سربراہ بھاگوت نے کہا کہ ہندوؤں کا طاقتور ہونا ضروری ہے اور طالبان سے الرٹ رہیں۔ اس طرح کی سنگھ اور دیگر ساورکر اور جناح وادی عناصر کی طرف سے تشہیری مہموں کے پیش نظر ملک کی بڑی مسلم تنظیم جمعیۃ علماء ہند نے ملک کے سامنے کئی سوالات رکھتے ہوئے غوروفکر اور افہام وتفہیم کے درکو ازسرنو وا کرنے کا سامان بہم پہنچایا ہے۔سوالات کچھ اس طرح ہیں:

(۱) دوقومی نظریہ کی بنیاد کس نے رکھی؟ (۲) محمد علی جناح نے کب مسلم ریاست کا مطالبہ کیا؟ (۳) حضرت مدنیؒ نے تقسیم وطن کی مخالفت کب اور کیوں کی؟ (۴) کیا مولانا مدنیؒ کا تنہا موقف تھا یا ان کے ساتھ افراد تھے؟ (۵) متحدہ قومیت کا مین تھیم کیا تھا؟ (۶) حضرت مدنیؒ نے متحدہ ہندوستان کے قیام کے لیے کیا فارمولا پیش کیا تھا؟ (۷) پھر متحدہ قومیت کا نظریہ اور مدنی فارمولہ کیوں ناکام ہوا؟ (۸) تقسیم وطن کے نتائج کیا ہوئے؟ (۹) دوقومی نظریہ اوراس کے مضمرات (۱۰) اگر برصغیر متحدہ رہتا تواس کے فوائد کیا ہوتے؟ (۱۲) اگر برصغیر متحد ہوتا تو مسلمانوں کی ڈیموگرافی کیسی ہوتی اوراس کے فوائد کیا ہوتے؟ (۱۲) کیا ہندستان میں مسلمانوں کے رہنے کا فیصلہ غلط تھا؟ (۱۳) بھارت میں مسلمانوں کا (باقی صـ۱۴ـ پر)

گوشہ روزگار

صحافت میں بھی ہے کیریئر

صفحۂ کاغذ پہ جب موتی لٹاتا ہے قلم
ندرتِ افکار کے جوہر دِکھاتا ہے قلم
بندگانِ علم وفن کی خلوتوں کا آشنا
ان کے فکر وقلم کی باتیں سناتا ہے قلم

اپنی بات دوسروں تک پہنچانا ایک ایسی خواہش ہے جو روزِ اوّل سے ہی انسان کے دل میں موجود ہے۔ یہ خاہش کبھی داستان، ناول یا افسانے کا روپ اختیار کرلیتی ہے اور کبھی غزل میں ڈھل جاتی ہے۔وقت اور حالات اس کے طریقۂ اظہار میں تبدیلیاں لاتے رہتے ہیں اور بات کہنے کا طریقہ بدلتا رہتا ہے۔

صحافت روزمرہ کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کو پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ صحافت کا مقصد لوگوں کو تفریح، آگاہی اور تعلیم دینا ہے۔آج صحافت کو پوری دنیا میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔اسے جمہوریت کا چوتھا ستون بھی سمجھا جاتا ہے۔حضرت علیؓ کا قول ہے:''انسان ہروقت، ہرعمر میں علم وہنر اور فن حاصل کرسکتا ہے۔''

صحافت جدید حالات کی پیداوار ہے۔ تیز رفتار زندگی اور لمحے بدلنے والے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات اگر ادب کے کسی صنف کی پکڑ میں آسکتے ہیں تو وہ صحافت ہے۔

۱۷؍نومبر کو قومی صحافت کا دن منایا جاتا ہے۔

آیئے جانتے ہیں کہ ہم کیسے صحافت میں اپنا کیریئر روشن کرسکتے ہیں۔ ہر چیز کی طرح جو ہمارے اردگرد مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے، اسی طرح صحافت میں بھی تبدیلیوں کے ساتھ ترقی ہوئی ہے۔ایک صحافی کو بہت پڑھا لکھا شخص ہونا چاہیے، جس کا پس منظر ادب، تاریخ اور بڑے پیمانے پر مواصلات میں ہو۔صحافیوں سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ سماجی ذمہ داری کا احساس رکھیں اور اخلاقی معیارات پرسختی سے عمل کریں۔وقت کے ساتھ ترسیل کا فارمیٹ عوامی تقاریر سے تیار ہوا، جس میں پرنٹ شدہ اخبارات، میگزین، ٹیلی گراف، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور حال ہی میں آن لائن پلیٹ فارم شامل تھے۔ اگرچہ ان دنوں صحافت ایک بہت اہم پیشہ ہے، بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ بالکل مختلف ہے۔صحافت میں اب عوام تک خبریں پہنچانے کے لیے مختلف اقسام، تکنیک اور مقاصد سامنے آئے ہیں۔

صحافت کی مختلف اقسام

(۱) تحقیقاتی صحافت: تحقیقاتی صحافت کا تقاضہ ہے کہ صحافی اپنے اندر کے چھپے ہوئے جاسوس کو پہنچانے۔صحافت کی یہ صنف زندگی کے ہر شعبہ میں راز فاش کرتی ہے۔سیاسی بدعنوانی، دھوکہ دہی کے الزامات ان کا نام لیتے ہیں اور قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ پیش کردہ حقائق کے بارے میں مزید سوچیں۔تحقیقاتی صحافت کو کسی بھی شعبہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ کسی کی بھی نہ صرف دلچسپی کا باعث بنا سکتے ہیں بلکہ متجسس بھی بنا سکتے ہیں۔اس قسم کی صحافت حقائق، سحرانگیز عناصر اور قاری کے تجسس پر بہت زیادہ انحصار کرتی ہے۔

() نیوز جرنلزم: نیوز جرنلزم صحافت کی وہ قسم ہے، جو پیشے کے پرانے تکرار کے ساتھ قریب سے جڑی ہوئی ہے۔مثلاً مختصر اور نقطہ پر اس صنف کے مضامین صرف خبروں کا ایک ٹکڑا پہنچاتے ہیں۔کوئی شوگر کوٹنگ کوئی مداخلت کرنے والی رائے اور کچھ نہیں۔

(۳) کالم: کالم جدید دنیا میں ذاتی بلاگ کی طرح ہے۔ایک مصنف ایک اخبار میں ایک کالم کا دعویٰ کرتا ہے جو کہ ایک باکس جتنا چھوٹا ہوسکتا ہے یا ایک پورے صفحے جتنا بڑا ہوسکتا ہے اور جو کچھ وہ چاہے لکھ سکتا ہے۔کالم مکمل طور پر مصنف کے لیے وقف ہے، جو بعض اوقات اس کے لیے نام کا انتخاب بھی کرتا ہے۔کالم نگار کی (باقی صـ۱۴ـ پر)

دریچے

مفتی محمد ثناء اللہ قاسمی

تحفظ ماحولیات: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

اس کائنات کے وجود اور بقا میں ماحول اوراس کے تحفظ کی بڑی اہمیت ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر قدرت نے ہمیں سرسبز وشاداب وادیاں، خوبصورت پہاڑ، گھنے جنگل، دلکش جھرنے، ابلتے چشمے، بہتی ندیاں اور وسیع سمندر عطا فرمایا اوران ساری چیزوں کوانسان کے لیے ایسا مسخر کیا کہ وہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرے اوراس کائناتِ ارضی میں راحت وآرام کے ساتھ زندگی گزارے۔ان چیزوں کو قدرتی توازن کا سبب قرار دیا گیا،لیکن ہم نے اپنی ایجادات سے قدرتی ماحول کو بدلنا شروع کیا۔پیڑ کٹنے لگے، پہاڑ توڑے جانے لگے،سمندر کو پاٹنا شروع کیا اور غلاظت بھری نالیاں ندی کے پاک وصاف پانی میں گرنے لگیں۔ کارخانوں نے دھوئیں کے غولے فضا میں اُڑائے اوراس طرح دیکھتے ہی دیکھتے سارا نقشہ بدلتا چلا گیا۔اس تبدیلی سے فضائی آلودگی پیدا ہوئی اور قدرت کا بخشا ہوا پاکیزہ ماحول اور توازن ختم ہوکر رہ گیا جس کی وجہ سے آج دنیا پریشان ہے،اس فضائی آلودگی نے صرف ایک سال کے عرصے میں جانوروں کی چھتیس نسلیں اور پرندوں کی چورانوے نسلوں کونا پید اکردیا۔

عالمی ماحولیاتی کانفرنس کے جائزہ کے مطابق اس صورتِ حال سے تین سوگیارہ نسلوں کے ختم ہوجانے کا خطرہ لاحق ہے۔جنگلات دو فیصد سالانہ کے اعتبار سے گھٹ رہے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے اوزون گیس کی پرت میں شگاف پڑگیا ہےاور سورج کی مضر شعاعیں بلاواسطہ ہم تک پہنچ کر مختلف امراض کا سبب بن رہی ہیں۔وہ پانی جس سے تمام چیزوں کو اللہ نے زندگی بخشی، ہم نے اس کی ناقدری کی، کیونکہ یہ مفت ہمارے ہاتھ لگ گیا، پانی کی اس اہمیت کا تقاضہ تھا کہ ہم اس کو پاک وصاف رکھتے، آلودہ ہونے سے بچاتے تاکہ وہ ہمارے استعمال کے کام کا رہتا،ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ پانی میں پیشاب نہ کرو، سوکر اُٹھو تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی کے برتن میں ہاتھ مت ڈالو، مبادا تمہارے ہاتھ کی گندگی اور رات میں جسم کے مختلف حصوں پرگشت کرنے کی وجہ سے جو جراثیم ہاتھ کو لگ گئے ہوں وہ پانی میں داخل نہ ہوجائیں۔ پانی پیتے وقت برتن میں سانس بھی مت لو، تاکہ تمہاری سانسوں سے نکلنے والے جراثیم پانی کو آلودہ نہ کردیں اوروہ دوسرے کے استعمال کے لائق نہ رہے، اسی طرح مشکیزہ، گھڑا اور دوسرے برتن جس میں پانی رکھا گیا ہے، اسے کھلا نہ چھوڑنے کی ہدایت دی گئی، ہم نے ان تمام ہدایات کو جو ہماری بہترین زندگی کے لیے ضروری تھے، پس پشت ڈال دیا۔آج صورتحال یہ ہے کہ پانی کے آلودہ کرنے کا کوئی موقع ہم ضائع نہیں کرنا چاہتے، شہر کی ساری گندی نالیوں کا رُخ آج دریا اور ندی کی طرف ہم نے کردیا ہے،جس سے پانی کا اتنا بڑا ذخیرہ آلودہ ہوگیا ہے، مہم گنگا صفائی کی برسوں سے چلائی جارہی ہے۔کروڑوں بلکہ اربوں روپے اس منصوبے پر اب تک خرچ کیے جاچکے ہیں، لیکن گنگا اب بھی میلی ہےاوراس کی گندگی اور آلودگی کو اس وقت تک دور نہیں کیا جاسکتا ہے، جب تک اس کی معاون ندیوں میں بھی غلاظتوں کو گرنے سے روک نہ دیا جائے، گھروں کے گندے پانی کی نکاسی نہیں ہوتی تھی تو پہلے سوختہ بنایا جاتا تھا، جو پانی کو جذب کرلیتا تھا اور زمین کے اندر جو پانی ہے وہ متاثر نہیں ہوتا تھا، لیکن نسبتاً کم غلاظتیں اندر کی سطح تک پہنچتی تھیں۔اب گھروں میں سوختہ کے بجائے سارے گندے پانی کو بورنگ کرکے اسے زیرزمین پہنچایا جارہا ہے،جس سے زمین کے اندر کا پانی بھی ہمارے استعمال کے لائق باقی نہیں رہا، ساٹھ فٹ بلکہ اس سے کم پر ہی پہلے پانی پینے کے قابل مل جاتا تھا، ہمارے اس عمل کے نتیجے میں اب پینے کا پانی ڈھائی تین سوفٹ سے زیادہ گہرائی میں مل رہا ہےاور وہ بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ مکمل طور پر صاف اور بیماریوں سے پاک ہے،اس پانی کے نتیجے میں مختلف امراض پیدا ہورہے ہیں۔اب ہمیں منرل واٹر پر زندگی گزارنی پڑرہی ہے،اور پینے کے پانی فراہم کرنے والی کمپنیوں کی چاندی ہوگئی ہے، ہم پانی کے محتاج ہورہے ہیں، اوراس پر اچھی خاصی رقم ہمیں لگانی پڑرہی ہے، ہم اس کا اظہار بھی تقریر وتحریر میں کرتے ہیں، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور یہ سارا افساد اور بگاڑ ہم نے اپنے ہاتھوں پیدا کیا ہے، قدرت کا اصول ہمیشہ سے مکافاتِ عمل کا رہا ہے، ہم نے جیسا کیا اس کا نتیجہ ہمیں بھوگنا پڑرہا ہے، آج صورتِ حال یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کے زیراہتمام ۱۹۹۲ء میں برازیل کے دارالحکومت میں دوسری عالمی ماحولیاتی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں پانی کے حوالہ سے سائنس دانوں نے جو نتیجہ اخذ کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیجی جنگ کے دوران لاکھوں بیرل تیل نے خلیج عرب کے پانی میں مل کر اس کو ایسا گدلا اور آلودہ کردیا ہے کہ سمندری جانوروں کے لیے مشکلات پیدا ہوگئی ہیں اور آبی مخلوقات کی کئی نسلوں کے خاتمہ کا اندیشہ ہے، اگر سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے اور مزید پانی کو آلودہ کرنے کا کوئی نیا سبب نہ پیدا ہو تو اس پانی کو صاف ہونے اور اس بگڑی ہوئی صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے ایک سو اسی برس درکار ہوں گے، یہ معاملہ صرف خلیج عرب ہی کا نہیں ہے بلکہ دنیا میں جتنے آبی وسائل ہیں، ان کا بیش تر حصہ انسانی جسم کے فضلات کی وجہ سے نہ صرف گندا ہو چکا ہیں، بلکہ ان کا استعمال زندگی کے اختتام کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ وہ زہریلے ہوچکے ہیں۔اسی طرح جنگلات کی حفاظت بھی ضروری ہے اور جن علاقوں میں پیڑ پودے نہیں ہیں وہاں شجرکاری مہم کو تیز کرنے کی ضرورت ہے، اسلام نے اس پر اتنا زور دیا کہ اگر قیامت قائم ہوجائے اور کسی کو اتنی مہلت ہو کہ وہ کوئی پودا لگا سکتا ہے تو لگادے، اسی طرح پھل دار درخت کے لگانے کی ترغیب دی گئی اور فرمایا گیا کہ جس نے پھلدار درخت لگایا اوراس کے پھل اور پتے کو انسان وجانوروں نے کھایا تو وہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ ہے۔ان ارشادات واحکام کو صرف مذہبی تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ جان لینا چاہیے کہ جب تحفظ ماحولیات کا تصور آج کی طرح دنیا میں نہیں تھا، اس وقت بھی اسلام نے اس کو سماجی اور کائناتی مسئلہ سمجھا اوراس کے تحفظ کے لیے مناسب تدابیر بتائیں۔

آج ان قدرتی وسائل کے ساتھ جو سلوک ہم کررہے ہیں وہ قرآن کریم کی زبان میں فساد فی الارض ہے، ہمیں ہر قیمت پر اس فساد کو دور کرنا ہوگا، اس کے بغیر ماحول کے تحفظ کا ہم کوئی تصور نہیں کرسکتے۔

آزادی کی تحریک کو ہمیشہ ترقی کے ایک عمل کے طور پر دیکھنا چاہیے

جدید ٹیکنالوجی میں پوشیدہ ہے نابرابری ہمیں درمیان کا راستہ اختیار کرنا ہوگا

معروف مجاہد آزادی اور سماجوادی مفکر جناب سچد انند سنہا کا انٹرویو

تحریک آزادی کے معروف سپاہی اور سماجوادی مفکر سچد انند سنہا جو ۹۲ سال کے ہوگئے ہیں، سیاست، معاشیات، تہذیب وتمدن اور ماحولیات کے تعلق سے ان کے مضامین کا مجموعہ حال ہی میں آٹھ حصوں میں چھپ کر آیا ہے، وہ شہروں کی بھاگ دوڑ سے دور ایک گاؤں میں رہتے ہیں، گاندھی وادی طریقے سے بہت کم وسائل کے استعمال والی طرزِ زندگی اپنا رکھی ہے۔ مظفر پور کے پاس ان کا منیکا گاؤں تحریک آزادی اور زمینی جدوجہد کے لیے زیر بحث رہا ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں نکسل باڑی کے بعد پھیلی آراضی جدوجہد کو ختم کرنے کے لیے جے پرکاش نارائن یہاں آکر بہت عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ تحریک آزادی سے لے کر ماحولیات میں تبدیلی تک کے موضوعات پر ان سے بات چیت ہوئی۔ پیش ہے اس بات چیت کے اقتباسات۔

س: آپ تحریک آزادی کو کس طرح دیکھتے ہیں؟ دنیا کے باقی ملکوں کی نوآبادیاتی مخالف تحریکوں کے برعکس یہاں نظریات کے بیچ تحریک، پرتشدد لڑائی میں تبدیل نہیں ہوئی۔ الگ الگ سوچ کے لوگ ایک ساتھ کام کرتے رہے، کسی نے بھی الگ نظریہ رکھنے والوں کو ختم کرنے کی نہیں سوچی، نظریات کی اس انوکھی معاونت کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

ج: آزادی کی تحریک کو ہمیشہ ترقی کے ایک عمل کی صورت میں دیکھنا چاہیے۔ تحریک آزادی میں مختلف نظریات کے درمیان جو یکسانیت دِکھائی دیتی ہے۔ وہ گاندھی جی کا اثر تھا، ملک کا عدم تشدد میں کوئی بھروسہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود گاندھی جی نے ان کی موت کے بعد تلک سوراج فنڈ کے لیے خوب کام کیا، انھوں نے کانگریس کے اندر بھی نظریاتی تضاد کو نہیں روکا۔ ان کے ساتھ کئی لوگوں کا نظریاتی ٹکراؤ ہوا، سبھاش چندر بوس کے ساتھ تو ان کا یہ تضاد اس حد تک گیا کہ کانگریس کی صدارت کے لیے انھوں نے پٹابھی سیتارمیا کو اپنی حمایت دی، سبھاش بابو کے منتخب ہونے کے بعد گاندھی جی نے یہاں تک کہہ دیا کہ پٹابھی کی ہار میری شکست ہے لیکن اس ٹکراؤ کے بعد بھی ان دونوں کے تعلقات ایسے تھے کہ سبھاش بابو نے ہی مہاتما گاندھی کو پہلی بار راشٹر پتا کہا۔ یہ امتزاج ہمیں جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور دوسرے رہنماؤں کے درمیان نظر آتا ہے۔

س: کئی لوگ مانتے ہیں کہ جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی کے درمیان معاشی فیصلوں پر کافی اختلافات تھے، ان کا کہنا ہے کہ نہرو نے جو معاشی پالیسیاں اپنائیں وہ گاندھی جی کے خیال سے الگ تھیں۔ یہ لوگ تو یہاں تک کہتے تھے کہ اگر گاندھی جی کی پالیسیاں اپنائی جائیں تو آج شاید ہماری معیشت الگ طرح کی ہوتی؟

ج: یہ سچ ہے کہ گاندھی جی بالکل الگ رائے رکھتے تھے۔ وہ دیہی جمہوریت اور چھوٹی معیشت، چرخا، کرگھا کی بات کرتے تھے، لیکن اسے کانگریس کے کسی اور لیڈر نے قبول نہیں کیا۔ نہرو اور پٹیل نے بھی نہیں، پھر بھی ہم ایسا نہیں کہہ سکتے کہ نہرو یا پٹیل نے گاندھی جی سے ان کی پالیسی کے مخالفت کی کوئی تدبیر اپنائی۔ نہرو اور پٹیل مل کر حکومت چلا رہے تھے اور معاشی پالیسیوں کو لے کر ایک رائے رکھتے تھے۔ گاندھی جی نے کبھی اپنی پالیسیاں ان پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سچ تو یہ ہے کہ

> **یہ سچ ہے کہ گاندھی جی بالکل الگ رائے رکھتے تھے۔ وہ دیہی جمہوریت اور چھوٹی معیشت، چرخا، کرگھا کی بات کرتے تھے، لیکن اسے کانگریس کے کسی اور لیڈر نے قبول نہیں کیا۔ نہرو اور پٹیل نے بھی نہیں۔**

آخری دنوں میں گاندھی جی کے سامنے یہ سب معاملہ صفر تھا۔ اس وقت انھیں لگ یہ رہا تھا کہ اگر فرقہ وارانہ آگ بجھائی نہیں گئی تو ہندستان ایک انسانی سماج کی شکل میں ختم ہوجائے گا۔ اس کے لیے وہ اس عمر میں نواکھالی گاؤں گئے۔ وہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی گئے۔ انھوں نے اپنی پوری طاقت اس کے لیے لگادی، یہ ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔ انھیں اس پر کوئی دھیان ہی نہیں رہا کہ کونسی ٹیکنالوجی ہے کیا ارتھ نیتی ہے۔ انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر یہ آگ نہیں بجھی تو ہندستان کی تقسیم ہوجائے گا۔

س: جب گاندھی جی کے اقتصادی نظریات کی بات آئی ہے تو یہ سوال پیدا ہوگا ہی کہ کمیونزم بھی اسی ٹیکنالوجی کے حق میں ہے جسے سرمایہ دار اپناتا ہے۔ کیا آپ کو نہیں لگتا ہے کہ برابری والا معاشرہ تشکیل دینے کے لیے ٹیکنالوجی میں بھی تبدیلی کی ضرورت ہے؟

ج: جدید ٹیکنالوجی میں غیر برابری پوشیدہ ہے۔ ایک شخص اوپر ہوتا ہے اور باقی سب اس کے ماتحت یہی سلسلہ چلتا ہے۔ کارخانوں کا نظام ایسا ہی ہے۔ روسی انقلاب کے بعد بھی یہی صورتحال رہی۔ ریاست کا ڈھانچہ ایسا ہی رہا۔ اگر اسے توڑنا ہے تو ٹیکنالوجی میں بھی تبدیلی لانی ہوگی۔ ہمیں مرکزی ٹیکنالوجی چھوڑنی ہوگی۔ اس کے بغیر ہم برابری نہیں پیدا کرسکتے ہیں۔ گاندھی جی کے چرخے میں اوپر نیچے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

س: مارکس نے ٹیکنالوجی کی ترقی کو لے کر کوئی الگ رائے نہیں رکھی ہے۔ ایسی صورت میں گاندھی کا متعلقہ نظریہ بڑھ جاتا ہے؟

ج: مارکس نے مغربی ممالک میں ہوئے اقتصادی ترقی کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے وہاں کی تکنیکی تبدیلیوں کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ آب وہوا میں تدیلی کا سوال بعد میں سامنے آیا ہے۔ گاندھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں، لیکن ہم اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ یکایک گاندھی والے نظام پر نہیں آسکتے، لیکن توانائی پر مبنی معیشت اسی طرح چلتی رہی تو ہم اپنے سیارہ کے نقصان کو بھی ٹال نہیں سکتے ہیں۔ کرۂ ارض کو بچانا ہے تو ہمیں بیچ کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ ہم چھوٹے اور اوسط درجے کی ٹیکنالوجی اپنائیں۔ آب وہوا میں تبدیلی کے نقصانات سے نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ◻◻

حکومت آئینی نظام کو تباہ کر رہی ہے: کانگریس

یوم آئین پر منعقدہ سرکاری پروگرام میں حصہ نہیں لینے پر کانگریس نے کہا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی حکومت مسلسل آئینی اداروں کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ آئین میں دیئے گئے قواعد کی خلاف ورزی کر کے آئینی نظام کو تباہ کیا جا رہا ہے اس لئے کانگریس اور دیگر کئی اپوزیشن جماعتوں نے اس پروگرام میں حصہ نہیں لیا۔ کانگریس کے لیڈر آنند شرما نے پارٹی ہیڈکوارٹر میں منعقدہ پریس کانفرنس میں کہا کہ سرکاری پروگراموں میں اپوزیشن کو اہمیت نہیں ملتی اور انہیں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ اجلاس کے کچھ دن پہلے آرڈیننس لا کر قانون بنایا جا رہا ہے جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے لیکن یہ حکومت مسلسل پارلیمانی روایات کو نقصان پہنچا رہی ہے اور پارلیمانی نظام کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپوزیشن جماعتوں کی رضامندی کے بغیر حکومت قانون بنا رہی ہے۔ قانون کا خاکہ بنانے کے عمل میں اپوزیشن کے کردار کو نظرانداز کیا جا رہا ہے اس لئے حکومت کو ایوان میں منظور قانون واپس لینے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ زرعی قوانین بنے ایک سال سے زیادہ وقت ہوگیا اور اس پر کسانوں نے ایک سال تک تحریک چلائی اور حکومت کو قانون واپس لینا پڑا ہے۔ کانگریس کے لیڈر نے کہا کہ اجلاس سے پہلے حکومت ہمیشہ ایسا کام کرتی ہے جس سے حالات کشیدہ ہوتے ہیں اور حکومت کو پھر اپنے قدم پیچھے کھینچنے پڑتے ہیں۔

ہوا کے دوش پر

لاک ڈاؤن کے دوران نیٹ کا استعمال ہوا دوگنا

کورونا وبا کی روک تھام کے لیے نافذ لاک ڈاؤن میں جب مواصلات کے تقریباً تمام ذرائع بند ہوگئے تو ڈیجیٹل کنکٹیویٹی ایک اہم ٹول کے طور پر اُبھری اور یہی وجہ ہے کہ دو سالوں میں انٹرنیٹ کا استعمال دوگنا سے بھی زیادہ ہوگیا ہے۔ ایشیا بحرالکاہل میں ڈیجیٹل پالیسی کے مسائل پر کام کرنے والے علاقائی تھنک ٹینک ایل آئی آر ای ایشیا اور نئی دہلی میں قائم پالیسی پر مبنی اقتصادی پالیسی کے تھنک ٹینک آئی سی آر آئی ای آر کی طرف سے جاری مشترکہ سروے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ لاک ڈاؤن میں ڈیجیٹل کنکٹیویٹی دوگنی سے زیادہ ہوگئی ہے۔ ۱۵ سے ۶۵ سال کی عمر کے ۴۹ فیصد لوگوں نے انٹرنیٹ استعمال کرنے کی اطلاع دی جبکہ ۲۰۱۷ء کے اواخر میں ۱۵ تا ۶۵ سال کی عمر کے گروپ میں سے صرف ۱۹ فیصد نے انٹرنیٹ استعمال کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ۲۰۲۱ء میں ۶۱ فیصد گھرانوں نے انٹرنیٹ استعمال کیا جبکہ ۲۰۱۷ء میں صرف ۲۱ فیصد نے اس کا فائدہ اُٹھایا۔ رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۰ء اور ۲۰۲۱ء میں ۱۳۰ کروڑ سے زائد صارفین آن لائن ہوئے۔ ۲۰۲۰ء میں انٹرنیٹ سے جڑے تقریباً آٹھ کروڑ میں سے ۴۳ فیصد یا ۳ء۴ کروڑ سے زائد لوگوں نے لاک ڈاؤن کی وجہ سے انٹرنیٹ استعمال کیا۔ اس دوران جن گھرانوں کے بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں ان میں سے ۶۴ فیصد گھرانوں میں انٹرنیٹ کی سہولت موجود تھی جبکہ باقی ۳۶ فیصد اس سے مرحوم تھے۔ پہلے گروپ کے ۳۱ فیصد بچے (انٹرنیٹ والے خاندان) کو کسی نہ کسی شکل میں فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے کا امکان موجود تھا جبکہ دوسرے گروپ کے صرف آٹھ فیصد (انٹرنیٹ کے بغیر خاندان) نے کسی نہ کسی شکل میں فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے کی تصدیق کی۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ صحت کی دیکھ بھال کے شعبے میں بھی ایسا ہی رجحان دیکھا گیا۔ کورونا وبا کے مشکل وقت میں ۶۵ فیصد لوگوں نے صحت کی خدمات حاصل کرنے کے لیے انٹرنیٹ کا استعمال کیا جبکہ انٹرنیٹ کے بغیر صرف ۵۲ فیصد لوگ ہی صحت کی خدمات تک رسائی حاصل کرسکے لیکن اعداد وشمار کو قریب سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عدم مساوات آج بھی ڈیجیٹل تقسیم کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر انٹرنیٹ تک رسائی والے خاندانوں کے بچوں کو ریموٹ کے توسط سے سیکھنے کی زیادہ سہولت تھی۔

بچوں کے خلاف سائبر جرائم میں بڑا اضافہ: ایک رپورٹ

ملک میں بچوں کے خلاف سائبر جرائم میں ۲۰۱۹ء کے مقابلے ۲۰۲۰ء میں ۴۰۰ فیصد سے زیادہ کا اضافہ ہوا ہے۔ ان میں زیادہ تر معاملے بچوں کو پریشان کرنے والے مواد کی اشاعت اور ترسیل سے جڑے ہیں۔ نیشنل کرائم ریکارڈس بیورو (این سی آر بی) کے نئے اعداد وشمار میں یہ جانکاری سامنے آئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۰ء میں بچوں کے خلاف سائبر جرائم کے ۸۴۲ معاملے درج کیے گئے تھے۔ ان میں سے ۷۳۸ یا تقریباً ۸۷ فیصد معاملے نابالغوں کے جنسی استحصال کو دِکھانے سے جڑے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ۲۰۱۹ء میں بچوں کے خلاف کل ۱۶۴ سائبر جرائم کے معاملے درج کیے گئے تھے۔ یہ ۲۰۲۰ء کے مقابلے میں ۴۱۳ فیصد کم ہیں۔ ۱۸-۲۰۱۷ء میں یہ اعداد وشمار بالترتیب ۷۹، اور ۱۱۷ تھے۔ این سی آر بی کے ۲۰۲۰ء کے اعداد وشمار کے مطابق بچوں کے خلاف ہوئے آن لائن جرائم کے معاملے اتر پردیش میں سب سے زیادہ درج کیے گئے۔ اس کے بعد کرناٹک اور مہاراشٹر کا نمبر ہے۔ یہاں بچوں کے خلاف ہوئے جرائم کے ۱۴۴ اور ۱۳۷ معاملے درج کیے گئے۔ کیرالہ (۱۰۷) اور اڑیسہ (۷۱) اس فہرست میں چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہیں۔ اعداد وشمار پر بات کرتے ہوئے چائلڈ رائٹس اینڈ یو (سی آر وائی) کی سی ای او پوجا مارواہ نے کہا کہ ایجوکیشنل اور کمیونی کیشن مقصد کے لیے انٹرنیٹ پر زیادہ وقت گزارنے کی وجہ سے بچوں کے لیے خطرہ بڑھ گیا ہے۔ ان میں جنسی استحصال، فحش پیغامات کا لین دین، پورنوگرافی کے رابطے میں آنا اور سائبر دھمکی جیسے خطرے شامل ہیں۔ پوجا نے مزید کہا کہ بچو کو آن لائن جن خطروں کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے ان کے بارے میں اساتذہ اور سماج کے درمیان سمجھ کافی محدود یا کم ہے۔ انھیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بچوں کو کیا معلوم ہونا چاہیے تاکہ انھیں صحیح راہ مل سکے۔

میرٹھ میں مہاتما گاندھی کے قاتلوں کے مجسموں کی تنصیب

بابائے قوم مہاتما گاندھی کے قاتل ناتھورام گوڈسے کی شان میں گن گان کرنے کا منصوبہ جو چند سال پہلے شروع ہوا تھا، وہ اب تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ گزشتہ کچھ برسوں کے دوران شمالی ہندستان کے کئی شہروں میں گوڈسے کے مندر بنانے کی کوشش ہوئی ہے اور اب اس سلسلے میں گاندھی کے قتل میں گوڈسے کے معاون رہے دیگر ملزموں کو بھی شہید کے طور پر قائم کیے جانے کی مہم شروع ہوگئی ہے۔ ستیہ ہند ڈاٹ کام کے مطابق تازہ ترین معاملہ میرٹھ میں گوڈسے اور اس کے اہم معاون نارائن آپٹے کا مندر بنانے کا ہے۔ اس عمل کو ۱۵ر نومبر کو انجام دیا گیا ہے۔ اسی دن گوڈسے اور آپٹے کو امبالہ کی جیل میں پھانسی پر لٹکایا گیا تھا، ایسے میں سوال یہ ہے کہ آپٹے کا مجسمہ لگانے کے لیے اتر پردیش کے شہر میرٹھ کا انتخاب کیوں کیا گیا جبکہ نارائن آپٹے یا ناتھورام گوڈسے کا میرٹھ سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن یہ سمجھا جاتا ہے کہ چند ماہ بعد ہونے والے اتر پردیش اسمبلی انتخابات کو مدنظر رکھتے ہوئے مورتی کی تنصیب کے لیے میرٹھ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ میرٹھ مغربی اتر پردیش کا ایک بڑا شہر ہے۔ گزشتہ لوک سبھا اور ودھان سبھا انتخابات میں بی جے پی نے مغربی اتر پردیش میں فرقہ وارانہ پولرائزیشن کی وجہ سے کافی کامیابی حاصل کی تھی۔ یہ پولرائزیشن فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان فسادات کی وجہ سے جاٹ اور مسلم کمیونٹی کا روایتی اتحاد ٹوٹ گیا تھا جس کا فائدہ بی جے پی کو پہنچا لیکن اس بار گزشتہ ایک سال سے زرعی قوانین کے خلاف جاری کسانوں کی تحریک کی وجہ سے وہ پولرائزیشن اب مکمل طور پر ختم ہوچکا ہے، ایسے میں بی جے پی اس علاقے میں اپنی جگہ کھوتی نظر آرہی ہے۔ اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندو مہاسبھا کو پیادہ بنا کر مہاتما گاندھی کے قاتلوں کے مجسّموں کے بہانے ماحول کو گرمانے اور پولرائزیشن کی کوشش کی جائے گی۔

ماضی کے جھروکے سے

تاریخ آزادی کا ایک ورق

تحریک آزادی اور فکری انقلاب کے داعی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۵

شاہ ولی اللہؒ کی انقلابی تحریک میں ہندو مسلم کی تفریق نہیں تھی اور بقول حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ: ''ہندو نوجوانوں میں بھگوت گیتا کی تعلیمات سے ہی اسپرٹ پیدا کی جاسکتی تھی مگر اس زمانہ کی سیاست کے لحاظ سے انقلاب کا مختصر راستہ یہی تھا کہ مسلم نوجوانوں میں جو شاہ صاحبؒ سے زیادہ قریب تھے، صحیح احساس اور قوت عمل پیدا کردی جائے۔ ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ پورے شمالی ہند اور جنوبی ہند کے بڑے حصے میں برسر اقتدار مسلمان فن سپہ گری میں ماہر اور فوجی صلاحیت وقوت کے مالک تھے اور وسطی ہند کی راجپوت ریاستیں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کیے ہوئے تھیں۔ ان کے راجہ سلطنت مغلیہ کے منصب دار اور دربار کے ایرانی تورانی گروپوں میں شامل تھے چنانچہ اس نازک دور میں کسی ہندو ریاست نے سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے کی کوشش نہیں کی، اس دور کی مرہٹی طاقتوں کے بارے میں بھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ مغل بادشاہ کو ختم کرنے کے درپے تھیں یا دربار میں اپنا اقتدار تسلیم کرانا چاہتی تھیں۔ پھر ۱۸۵۷ء میں تو مرہٹوں کی باقی ماندہ طاقت نے یہ تسلیم کر ہی لیا تھا کہ انقلاب کا راستہ صرف یہی ہے کہ سلطنت مغلیہ کے کسی وارث کو حکمراں تسلیم کیا جائے۔ لہٰذا اخلاق اور مذہب دونوں کا تقاضہ تھا کہ انقلاب کے لیے سب سے پہلے اس طبقے کی تربیت کی جائے جس پر سارا ملک اعتماد کیے ہوئے تھا، چونکہ ایشیا میں زیادہ تر حصہ پر مسلمان برسر اقتدار تھے اس لیے مسلم نوجوانوں کی اصلاح سے پورے ایشیا کی اصلاح ہوسکتی تھی اور یہ قوت یوروپ کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روک سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک ولی اللّٰہی کے سائے میں جو جماعت آزادی کی جنگ میں سب سے پہلے سامنے آئی اس میں صرف مسلمان مجاہدین آزادی کے نام نمایاں ہوئے۔'' (علماء ہند کا شاندار ماضی)

سنہ ۱۷۶۲ء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی وفات ہوگئی اپنے تاریخی وصیت نامے میں شاہ صاحبؒ نے دردمندانہ لفظوں میں فرمایا تھا۔ ''ہم لوگ اجنبی مسافر لوگ ہیں، ہمارے باپ دادے اس ملک میں بحالت مسافرت یہاں داخل ہوئے اور پھر وہی حالت واپس ہوگئی۔''

شاہ ولی اللہؒ اٹھارہویں صدی کے احیاء اسلام کے ممتاز محرکوں میں ہیں جنہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف پے درپے شورشوں کی قیادت کی۔ ان کی تحریک ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ عالمی تحریکات آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

شاہ صاحبؒ دیکھ رہے تھے کہ اگر یہی لیل ونہار ہیں تو اس ملک میں اب دین اور اہل دین کا خدا ہی حافظ ہے، جو کچھ ہونے والا تھا ان کی دوربین نظر میں روشن تھا، لیکن اس وقت تک دہلی پر انگریزوں کا غلبہ نہیں ہوا تھا اور حالات اس قدر سنگین نہیں ہوئے تھے کہ شاہ صاحبؒ اپنے پروگرام، عزائم اور نظریہ جہاد کے مطابق انگریزوں کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کرتے اور برطانوی درانداروں کے خلاف صریحی جہاد کا فتویٰ صادر فرماتے۔ یہ شرف ان کے صاحبزادے اور وارث شاہ عبدالعزیزؒ کے لیے مقدر تھا۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی رقم طراز ہیں: ''اگرچہ ہماری نظر سے کہیں نہیں گزرا کہ شاہ صاحبؒ نے ملک کو دارالحرب کہا ہو، لیکن وہ ملک کا جو نقشہ کھینچتے ہیں اور جو حالات بیان کرتے ہیں وہ ہرگز کسی دارالسلام کے نہیں ہوسکتے اور اس بنا پر بے تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے نیم شعوری ذہن میں ہندوستان کے دارالحرب میں منتقل ہوجانے کا تصور موجود تھا۔''

اس انقلابی نظریہ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے عملی طور پر پیش کیا، لیکن جیسا کہ جناب کے ایم اشرف نے لکھا ہے کہ: ''شاہ ولی اللہؒ اٹھارہویں صدی کے احیاء اسلام کے ممتاز محرکوں میں ہیں جنہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف پے درپے شورشوں کی قیادت کی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاہ ولی اللہؒ کی تحریک ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ عالمی تحریکات آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی سے عام بیداری پیدا ہوئی، یہیں سے روح ملی یہیں سے غذا فراہم ہوئی، اسی ولی اللّٰہی تحریک نے جہد آزادی کی زمین ہموار کی۔'' □□

مہمانوں کا اکرام

احادیث میں اکرام ضیف کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے، حضرتؒ کے یہاں اس کا اہتمام آخری حد تک تھا، مہمانوں کی آمد تو وقت بے وقت ہوتی ہی رہتی تھی، مولانا مہمانوں کو مدرسہ کے ذمہ نہ کرنا چاہتے تھے، اب اس کی صورت یہی تھی کہ اپنے گھر جو کچھ ہو یا ہوسکے تو لے آئیں، اور بعض بہت ہی قریبی عزیزوں کے گھروں سے کچھ لے آئیں۔ مولانا کا کمرہ جو دارالضیافت بھی تھا، اس میں ایک عدد المونیم کی سینی، چار عدد المونیم کے پیالے اور ایک کپڑا جس میں مختلف رنگوں کے کپڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، رکھا تھا۔ اگر بے وقت مہمان آتے تو حضرت خود ہی یہ مذکورہ سامان اٹھاتے اور چل دیتے اور اپنے گھر اور عزیزوں کے گھروں سے کھانا لانے کے لئے، جس کا گھر راستہ میں پڑ جاتا، آواز دیتے جاتے، اور ایک پیالہ پکڑاتے جاتے، صاحبِ خانہ اپنے گھر سے جو کچھ ہوسکتا تھا، لے کر پہونچ جاتے، پھر حضرت اپنے گھر جاکر جو کچھ ملتا یا جلد انتظام ہوسکتا، لے آتے۔ میں الحمدللہ مولاناؒ کے کسی حد تک قریب تھا، کبھی کبھی یہ کام میں نے بھی کیا، مگر بہت کم، گاؤں کے لوگوں کا میرے ساتھ بھی بہت محبت کا تعلق تھا۔ ایک دفعہ حضرتؒ کی عدم موجودگی میں بے وقت ایک مہمان آگئے، ایک بہت ہی قریبی دوست کے گھر جاکر میں نے بھی آواز لگادی، وہ گھر پر نہ تھے، بچوں کے ذریعہ اپنی بات اندر تک پہونچادی کہ مہمان آگئے ہیں، ایک پیالہ سالن یا دال دے دیں، اللہ ان کی اہلیہ کو بہت ہی جزائے خیر دے کہ انہوں نے بچے کے ذریعہ پوری پتیلی باہر بھیج دی کہ مہمانوں کو کھلادیں، جو بچ جائے واپس کردیں، ابھی بچوں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس گاؤں کے لوگ مہمان نوازی میں بے مثال تھے، حضرت گاؤں کے لوگوں کے احسانات کا جو مدرسہ کے ابتدائی زمانہ میں ان لوگوں نے کئے تھے، بہت تذکرہ فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ میں حضرتؒ کی اس سنت پر کبھی کبھی عمل کرلیا کرتا تھا، لیکن حضرتؒ کو یہ بات برداشت نہ تھی، کہ میں کسی کے دروازہ پر جاکر اس طرح آواز لگاؤں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرتؒ کی کچھ طبیعت خراب تھی، گھر تشریف لے گئے تھے کہ بے وقت مہمان آگئے، میں نے سوچا کہ حضرتؒ کو زحمت ہوگی، خود ہی کچھ انتظام کرلیا جائے، وہی سینی اور کٹورے لے کر چل دیا، کسی ذریعہ سے مہمانوں کا حضرتؒ کو علم ہوگیا، فوراً چلے آئے، ادھر سے میں مدرسہ سے نکل چکا تھا، راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت کی آنکھوں سے آنسوں بہہ پڑے اور فرمایا: ''مولانا سب کام آپ سے کرالیتا ہوں، یہ کام آپ سے نہیں کراؤں گا''، پھر بڑے درد سے فرمایا ''یہ تو میرے نصیب ہی میں لکھا ہے''۔ (مولانا محمد زکریا سنبھلی، پیغام محمود ۹۱)

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۲۴)

غیر محدود بحث و مباحثہ : سینیٹ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بحثیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ ممبر جس مسئلے پر بھی چاہیں غیر محدود وقت تک لمبی لمبی تقریر کرسکتے ہیں تاکہ بل کے پاس ہونے میں دیر لگے۔ ۱۹۱۷ء میں سینیٹ کے ممبروں نے لمبی لمبی تقریریں کرکے ایک اہم بل کو پاس نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد کوشش کی گئی کہ اس طریقے کو ختم کردیا جائے لیکن چونکہ کسی بھی مسئلے پر بحث کو ختم کرنے کے لیے سینیٹ کے ممبروں کی دوتہائی اکثریت کی تائید کا ہونا ضروری ہے، اس لیے اب بحث ختم کرنے کا سلسلہ اور بھی مشکل ہوگیا ہے۔

فرائض یا اختیارات: سینیٹ اہم فرائض یا اختیارات کی ہم حسب ذیل تقسیمیں کرسکتے ہیں:

(۱) **قانون سازی اور مالی اختیارات** (Legislative and Financial Powers): سینیٹ کو قانون سازی کے وہ سارے اختیارات حاصل ہیں جو ایوانِ نمائندگان کو حاصل ہیں یعنی کوئی بھی غیر مالی بل سینیٹ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ بغیر اس کی منظوری کے کوئی بھی بل قانون نہیں بن سکتا۔ مالی بل پہلے ایوانِ نمائندگان میں پیش کیے جاتے ہیں لیکن سینیٹ ان میں ہر قسم کی ترمیم کرسکتی ہے۔ اس کی منظوری کے بغیر یہ منظور نہیں ہوسکتے۔ کوئی بھی بل صدر کے پاس منظوری کے لیے اسی وقت بھیجا جاسکتا ہے کہ جب سینیٹ بھی اسے پاس کردے، اگر دونوں ایوانوں میں کسی بل کے بارے میں اختلاف رائے ہو تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے ایک کانفرنس کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جس میں دونوں ایوانوں کے تین سے لے کر نو تک ممبر لیے جاتے ہیں اور بالآخر یہ کمیٹی کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچ جاتی ہے۔

انتظامی اختیارات : ایوانِ نمائندگان کے مقابلے میں سینیٹ اس لیے زیادہ بااختیار جماعت ہے کہ اسے انتظامی اختیارات بھی حاصل ہیں تاکہ وہ صدر کو ڈکٹیٹر یا مختار کل بننے سے روک سکے مثلاً صدر جتنی بھی اہم تقرری کرتا ہے، ان سب کے لیے اس کے لیے سینیٹ کی منظوری اور رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ غیر ملکوں سے صدر جتنے بھی معاہدے اور صلح نامے کرتا ہے اس کے لیے بھی سینیٹ کے ممبروں کی دوتہائی اکثریت کی رضامندی لی جانی ضروری ہے۔ اس طرح سے صدر اپنی خارجہ پالیسی میں سینیٹ کی تائید کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، اس طرح سینیٹ کا ملک کے عام نظم ونسق (Administration) اور خارجہ پالیسی پر زبردست کنٹرول قائم رہتا ہے۔

گاھے گاھے باز خواں......

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

(ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!)

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

۱۰ر تا ۱۶ر فروری ۲۰۰۶ء

فلسطین میں حماس کی کامیابی سے اسرائیل خوف زدہ کیوں؟

۲۰۰۶ء کے شروع میں فلسطین کے پارلیمانی انتخابات میں حماس کو زبردست کامیابی ملی تھی جس سے اسرائیل کے ہوش وحواس اُڑ گئے تھے اور وہ کچھ ایسا ہذیان میں مبتلا ہوا کہ کچھ کا کچھ بولنے لگا، اس پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ سپرد قلم کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

فلسطین کے پارلیمانی انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے ہیں ان پر سبھی کو حیرت ہے حتیٰ کہ ۱۳۲ میں سے ۷۶ نشستیں حاصل کرنے والی حماس کا بھی کہنا ہے کہ اسے جیتنے کی اُمید تو تھی لیکن اس قدر شاندار کامیابی ملے گی اس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ حماس کی اس کامیابی سے سب سے زیادہ مایوسی مغربی ممالک خصوصاً اسرائیل، امریکہ اور یورپی ممالک کو ہوئی ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس کی الفتح پارٹی کو صرف ۴۳ نشستیں ملنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ فلسطینی عوام نے حماس پر اعتماد کیا ہے اور اسی کو حکومت کی باگ ڈور سونپنے کا فیصلہ سنایا ہے۔ اب عوام کے فیصلہ کو نظرانداز کرنا نہ صرف اس جمہوریت کی توہین ہے جس کا پروپیگنڈہ مغرب کرتا ہے بلکہ اس سے دنیا میں غلط نظیر بھی قائم ہوگی۔ یہی بات کئی مسلم ممالک کے رہنما کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ افغانستان کے صدر حامد کرزئی کا کہنا ہے کہ اگر فلسطینی عوام نے حماس پر اعتماد کیا ہے تو ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ہمیں اسے اپنے آپ کو حکمرانی کا اہل ثابت کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہمیں حماس کے لیے اپنا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیے، جہاں تک نظریہ کی تبدیلی کے لیے اس پر دباؤ ڈالنے کا تعلق ہے تو اس طرح کا دباؤ یکطرفہ اسی پر نہیں بلکہ اسرائیل پر بھی ڈالنا چاہیے۔ لیکن مغرب اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے، امریکی صدر جارج ڈبلیو بش، فرانس کے وزیراعظم ڈومنک ڈی ویلیاں اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کا کہنا ہے کہ وہ حماس کے ساتھ کوئی رابطہ قائم نہیں کریں گے، ان کا کہنا ہے کہ حماس کو پہلے تشدد ترک کرنا ہوگا پھر اسرائیل کو تسلیم کرنا ہوگا۔ جبکہ جس چیز کو مغرب تشدد کہتا ہے وہ تشدد نہیں حماس کی مزاحمت ہے اور جہاں تک اسرائیل کو تسلیم کرنے کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں حماس تنہا ایسی تحریک نہیں ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے بلکہ دنیا کی بیشتر مسلم جماعتیں حتیٰ کہ متعدد اہم ممالک نے بھی ابھی تک اسرائیل کے ناجائز وجود کو تسلیم نہیں کیا ہے پھر حماس سے ہی یہ مطالبہ کیوں؟

اسرائیل کی عدم منظوری اور غیر مسلح نہ ہونے کا حماس کا فیصلہ کوئی نیا نہیں ہے، بین الاقوامی برادری کو یہ دیکھنا چاہیے کہ آخر کیا بات ہے کہ فلسطینی عوام نے حماس پر اعتماد کرکے اتنی بڑی ذمہ داری اسے سونپی ہے، اور جب تک حماس کو سیاسی منظرنامہ میں کام کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اس کے بارے میں کوئی بھی رائے کس طرح قائم کرلی جائے گی، یہی بات حماس کہہ رہی ہے۔

ہمارے خیال میں بین الاقوامی برادری کو اس پہلو سے بھی دیکھنا چاہیے کہ فلسطین کی موجودہ قیادت سے عوام خوش نہیں ہیں، اسی لیے انھوں نے حماس کے حق میں فیصلہ سنایا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ کامیابی کے بعد کیا حماس کے موقف اور پالیسی میں کوئی تبدیلی آئے گی؟ فلسطینی صدر نے کچھ عرصہ قبل حماس کو اپنی حکومت میں شمولیت کی دعوت دی تھی اس وقت یہ پیشکش حماس نے مسترد کردی تھی لیکن آج حکومت سازی کے لیے مطلوبہ اکثریت کے حصول کے باوجود حماس تمام سیاسی پارٹیوں کو ساتھ لے کر چلنے اور مل کر حکومت کرنے کی بات کررہی ہے، وزارتِ عظمیٰ کے لیے حماس کے اُمیدوار اسماعیل ہانیا نے جس طرح تمام سیاسی پارٹیوں سے سیاسی اشتراک کی اپیل کی ہے وہ تحریک کے موقف میں بہت بڑی تبدیلی ہے۔

حماس کے بارے میں اس طرح کی خبریں بھی آرہی ہیں کہ حکومت میں آجانے کے بعد وہ سلامتی، غربت اور صحت کے شعبہ میں خدمات کو ترجیح دے گی۔ جہاں تک خطہ میں قیامِ امن کا تعلق ہے تو حماس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک اسرائیل مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے مقبوضہ علاقوں کو فلسطینیوں کے حوالہ نہیں کرتا اس کے ساتھ بات چیت نہیں کی جائے گی، اسرائیل نے بھی حماس کے ساتھ بات چیت کرنے سے انکار کردیا ہے، اس طرح بات چیت کی اہم ذمہ داری صدر محمود عباس کو ہی نبھانی پڑے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بین الاقوامی برادری آخر کب تک عوامی رائے کو نظرانداز کرتی رہے گی؟ کیا وہ حماس کو دہشت گرد قرار دینے کے بعد پوری فلسطینی قوم کو دہشت گرد قرار دے گی جس نے حماس کو اقتدار سونپنے کا فیصلہ سنایا ہے۔ کیا فلسطینی عوام پر اسرائیل، امریکہ اور یورپی ممالک کی مرضی تھوپی جائے گی؟ پہلے فلسطینیوں کو ان کی ریاست اور اراضی سے محروم کردیا گیا اور کیا اب اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے کے حق سے بھی محروم کردیا جائے گا؟ فلسطین میں حکومت کیسی ہو؟ کس پارٹی کی ہو؟ کیا اس کا بھی فیصلہ بیرون ملک کے لوگ کریں گے؟ بین الاقوامی برادری کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ فلسطین کے پارلیمانی انتخابات وہاں کے الیکشن کمیشن کے ضابطہ کے تحت ہوئے ہیں اور اس کے نتائج پر کسی بھی سیاسی پارٹی نے انگلی نہیں اُٹھائی ہے۔ پھر حماس کی جیت پر اعتراض وہنگامہ کیوں؟ جو باتیں حماس کے بارے میں کہی جارہی ہیں، انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ باتیں اسرائیل کے بارے میں کہی جاتیں۔ سوال یہ نہیں کہ حکومت کس کی قیادت میں بن رہی ہے بلکہ اہم سوال یہ ہے کہ خطہ میں قیامِ امن کس طرح حاصل کیا جائے، جس سے حماس کو بھی انکار نہیں ہے۔

بہرحال اب حماس کو فلسطینی پارلیمنٹ میں اکثریت مل گئی ہے اور یہ طے ہے کہ اگر اسے اقتدار کے گلیاروں سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج نہ صرف محمود عباس کی پارٹی الفتح کے لیے سنگین ہوں گے بلکہ خود اسرائیل کے آقاؤں کے لیے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہوں گے۔

عالمِ اسلام

سعودی عرب نے مزید سات ممالک سے پروازیں معطل کردیں

سعودی وزارت داخلہ نے کورونا وائرس کی نئی قسم کے باعث مزید سات ممالک سے پروازیں معطل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سعودی پریس ایجنسی کے مطابق وزارتِ داخلہ نے کہا ہے کہ اومیکرون کے انسداد اور وبا کو کنٹرول کرنے کے لیے جمہوریہ مالاوی، جمہوریہ زامبیا، جمہوریہ مڈغاسکر، جمہوریہ انگولا، جمہوریہ سیشیلز، جمہوریہ موریشس اور جمہوریہ کوموروس سے آنے اور وہاں جانے والی پروازوں پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ وزارت داخلہ نے کہا ہے کہ مذکورہ ممالک سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سعودی عرب داخلے پر بھی پابندی ہے سوائے اس کے وہاں سے آنے والا مسافر کسی تیسرے ملک میں 14 دن گزار لے۔ مذکورہ ممالک سے وہ مسافر جو کسی تیسرے ملک میں چودہ دن گزاریں گے انہیں سعودی عرب داخلے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ ان پر پانچ دن قرنطینہ لاگو ہوگا۔ وزارت داخلہ نے کہا ہے کہ مذکورہ بالا ہدایت سعودی شہریوں سمیت غیر ملکیوں پر بھی نافذ ہوگی۔ وزارت داخلہ نے کہا ہے کہ جو شخص یکم نومبر کے بعد مذکورہ ممالک یا ان ممالک سے آیا ہے جن کا اعلان پہلے کیا گیا تھا اسے چاہیے کہ وہ سعودی عرب پہنچنے کے بعد پی سی آر ٹیسٹ کروالے۔

ویکسین کی پہلی خوراک لگوانے والوں کو براہِ راست سعودی آنے کی اجازت

سعودی وزارت داخلہ نے کہا ہے کہ وہ افراد جنہوں نے سعودی عرب میں ویکسین کی ایک خوراک لگوائی ہے وہ بھی ۴ر دسمبر سے براہ راست مملکت آسکتے ہیں۔ سرکاری خبر رساں ایجنسی ایس پی اے کے مطابق وزارت داخلہ نے نئے ضوابط کا اعلان کیا ہے جن پر عمل کرنا لازمی ہے۔ وزارت داخلہ کے باوثوق ذرائع کی جانب سے جاری بیان کے حوالے سے بتایا گیا کہ کورونا وائرس سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے سفری پابندیوں میں نرمی کا سلسلہ جاری ہے۔ صحت و دیگر متعلقہ اداروں کی تیار کردہ رپورٹ کی روشنی میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ تمام ممالک سے ایسے مسافروں کو براہ راست آنے کی اجازت دی گئی ہے جنہوں نے مملکت میں رہتے ہوئے کورونا سے بچاؤ کے لیے کم از کم ایک خوارک لگوائی ہوگی۔ ایسے افراد جو مملکت میں رہتے ہوئے ایک ویکسین لگوانے کے بعد بیرون مملکت گئے ہیں انہیں سنیچر ۴ر دسمبر ۲۰۲۱ء سے براہ راست آنے کی اجازت دی گئی ہے تاہم ایسے تمام مسافروں کو تین دن کے لیے ہوٹل قرنطینہ میں گزرانے ہوں گے۔

سبز آنکھوں والی مشہور افغان گرل نے اٹلی میں پناہ لے لی

۱۹۸۵ء کے نیشنل جیوگرافک میگزین کے کور پر چھپنے والی سبز آنکھوں والی مشہور افغان گرل کو اٹلی نے پناہ دے دی۔ فرانسیسی خبر رساں ایجنسی اے ایف پی کے مطابق اطالوی حکام کا کہنا ہے کہ افغانستان میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں نے شربت گلہ کو طالبان کے زیر کنٹرول علاقوں سے نکالنے کی درخواست کی تھی۔ حکام کا کہنا ہے کہ شربت گلہ کو پناہ دینا طالبان کے افغانستان پر کنٹرول کے بعد افغان شہریوں کی بیرون ملک منتقلی کے پروگرام کا حصہ ہے۔ شربت گلہ کو اس وقت شہرت ملی جب ۱۹۸۰ء کی دہائی میں امریکی فوٹوگرافر سٹیو مک کری نے پاکستان میں افغان مہاجرین کے کیمپ میں ان کی تصویر بنائی۔ یہ تصویر ۱۹۸۵ء میں نیشنل جیوگرافک میگزین کے کور پر چھپی اور اس طرح شربت گلہ سب سے مشہور افغان مہاجر بن گئیں۔

خلیفہ رابع حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ

جنھوں نے اپنے عہد خلافت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے

تحریر: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

جن حالات میں حضرت علی سریر آرائے خلافت ہوئے وہ غیر معمولی قسم کے نہایت پر آشوب حالات تھے، ایک طرف قصاص عثمانؓ کا سنگین مسئلہ درپیش تھا تو دوسری طرف حضرت معاویہ کی معزولی نے ایک نئی شورش برپا کررکھی تھی، اس کے بعد بھی یکے بعد دیگرے سخت حالات آتے رہے؛ مگر عزم واستقامت کا یہ کوہ ہمالیہ انتہائی جرأت وشجاعت کے ساتھ دیوانہ وار ان کا مقابلہ کرتا رہا بالخصوص جنگ جمل اور جنگ صفین میں جس دور اندیشی اور حکمت ودانائی سے کام لیا وہ واقعۃً آپ ہی کا حق تھا۔

مدتِ دراز تک آغوشِ نبوت میں پرورش پانے والے، نبی پاکؐ کی دعوتِ اسلام پر سب سے پہلے صدائے لبیک بلند کرنے والے، خوف ناک اور جاں گسل حالات میں سفر ہجرت کی رات فراش نبی کو اپنا بستر بنانے کی سعادت حاصل کرنے والے، غزوہ تبوک میں مملکتِ اسلامیہ کے دارالخلافہ مدینہ طیبہ میں نیابتِ نبی کے فرائض انجام دینے والے، فصاحت وبلاغت کے امام، علم وادب کے منبع، حکمت ودانائی کے مخزن، جرئت وشجاعت اور ذہانت وفطانت کے حسین امتزاج، جگر گوشۂ رسول فاطمۃ الزہراء کے سرتاج، کمالِ تقویٰ اور غایتِ زہد کے باوجود خندہ رو اور شگفتہ مزاج، سطوت وحکومت، جاہ وحشمت اور سامان کروفر کی بہتات وفراوانی کے باوجود حلۂ خسروی کے بجائے خرقۂ درویشی کو زیب تن کرنے والے، تاجِ سروری کے مقابلہ میں عمامۂ نبوی، اور مسند جہاں بانی کی جگہ فرش خاکی کو پسند کرنے والے، خلیفہ رابع امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، جو مختلف خصائل وفضائل کے حامل، متعدد محاسن واخلاق کے جامع اور کئی ایک کمالات وصفات کے حسین پیکر تھے، گویا ان کی ایک زندگی کئی زندگیوں کا خلاصہ ونچوڑ اور حیات کا ہر شعبہ صفتِ کمال کا وہ نادر مرقع تھی جس سے فضیلت وخصوصیت کے بے داغ خدوخال ابھر کر سامنے آتے تھے اور جس کے ہر کمال پر نظریں جم کر رہ جاتی تھیں:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

مختصر سوانحی خاکہ

آپ کا نام نامی: علی، لقب: حیدر ومرتضیٰ، کنیت: ابو الحسن اور ابو تراب ہے۔ آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق بعثت سے دس سال قبل شعب بنی ہاشم مکہ مکرمہ میں ہوئی، والدہ ماجدہ نے اپنے والد کے نام پر ''اسد'' نام رکھا جسے بعد میں والد نے تبدیل کرکے 'علی' کردیا۔ آپ کا نسبی تعلق حضورؐ سے قریب تر ہے، آپ کے والد ابو طالب اور حضورؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ پورا سلسلہ نسب اس طرح ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مروہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ آپ کا بدن دوہرا، قد میانہ، چہرہ روشن ومنور، داڑھی گھنی اور حلقہ دار، ناک بلند، رخساروں پر گوشت، غلافی اور بڑی آنکھیں، پیشانی چوڑی، کاندھے بھاری، بازو اور کلائیاں گوشت سے بھری ہوئیں اور سینہ کشادہ تھا۔ (اسد الغابہ)

ابو طالب چوں کہ کثیر العیال اور معاشی تنگی سے پریشان تھے، قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کردیا تھا؛ اس لئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہوکر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت وپریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے؛ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفرؓ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا؛ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ (تاریخ اسلام)

عہدِ نبوت وخلافت میں کارہائے نمایاں:

تقریباً دس سال کی عمر میں اللہ رب العزت نے معرفتِ حق اور پھر قبولِ حق کی دولتِ گراں مایہ سے سرفراز فرمایا۔ پھر کیا تھا؟ رات ودن سرور کائناتؐ کی معیتِ صادقہ میں گزرنے لگے، مشوروں کی مجلسوں میں، تعلیم وارشاد کے مجمعوں میں، کفار ومشرکین کے مباحثوں میں، معبودِ حقیقی کی یادوں میں غرضیکہ ہر قسم کی صحبتوں میں شرکت کی سعادت سے بہرور ہونے لگے، خود حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں محسنِ انسانیتؐ کے پیچھے ایسے چلتا تھا جیسے اونٹ کا بچہ اونٹ کے پیچھے چلتا ہے۔

مدینہ طیبہ آنے کے بعد آں حضرتؐ نے حضرت علیؓ کو دامادی کا شرف بخشا: اس طرح جگر گوشۂ نبی حضرت فاطمۃ الزہراء آپ کے نکاح میں آئیں۔ آپ مدنی زندگی کے تمام غزوات میں، حضورؐ کے دست وبازو بنے رہے، غزوہ بدر، احد، خندق، بنی قریظہ، اور حنین وغیرہ میں آپ نے عزم وہمت جرئت وشجاعت اور بے باکی وجواں مردی کے ایسے جوہر دکھلائے کہ اسداللہ آپ کے نام کا جزولاینفک ہوگیا، ان کے علاوہ متعدد سرایا بھی آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام دیا اور قدم قدم پر اسلام کی سربلندی واشاعت میں بھرپور حصہ لیا، صلح حدیبیہ کا معاہدہ آپ ہی نے تحریر کیا، معرکۂ خیبر کی فتح وظفر مندی تو آپ ہی کے نام سے معنون ہے، اسی طرح مکہ پر چڑھائی کے وقت جاسوس کا خط لے کر جانے والی عورت کا پردہ بھی آپ ہی نے فاش کیا، غزوہ تبوک کے موقع پر آپ ہی نے جانشین نبی کے فرائض انجام دیئے اور جب آں حضرتؐ اس دارِ فانی سے پردہ فرماگئے تو آپ کے غسل اور تجہیز وتکفین کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ علاوہ ازیں خلفاء ثلثہ کے بابرکت زمانوں میں بھی آپ ان اکابر کے دست راست اور مشیر خاص رہے، وفات نبی کے بعد بنو ہاشم خلافت کو اپنا حق سمجھنے لگے، حتی کہ رؤساء قریش نے تو حضرت کو آگے آنے کا باصرار مشورہ دیا؛ مگر حضرت علیؓ نے دانائی اور دوراندیشی سے اس عظیم فتنہ کا خاتمہ فرمایا۔ عہد فاروقی میں ایران پر چڑھائی کے وقت آپ ہی نے حضرت عمرؓ کو مدینہ نہ چھوڑنے کا صائب مشورہ دیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے پیش رو خلفاء کے زمانہ میں پرامن حالات اور آپ کے زمانہ میں بپا شورش کا شکوہ کیا تو یوں ارشاد فرمایا کہ ہمیں مشورہ دینے والے تم ہو اور انہیں مشورہ دینے والے ہم تھے۔

مسند خلافت پر:

حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد تقریباً ایک ہفتہ تک مسندِ خلافت خالی رہی، کوئی بھی نامور شخصیت بارِ حکومت اٹھانے کو تیار نہ ہوئی ان حالات میں انصار ومہاجرین کے بزرگ جمع ہوکر آپ کے پاس تشریف لائے اور خلافت کے اس عظیم منصب کو (جس کے اُس وقت بلاشبہ آپ ہی حق دار تھے) قبول کرنے پر اصرار کیا، ابتداً آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے امیر بننے کے بہ نسبت وزیر بننا زیادہ پسند ہے؛ لیکن حالات کا بگاڑ اور امت کا اجماع دونوں ہی آپ کی شخصیت پر جمع ہوگئے، تب آپ کی ہمت عالیہ نے ۲۴ر ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور پیش رو خلفاء کی سنت کے عین مطابق مسلمانوں کے مجمع سے خطاب فرمایا جس میں حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی جان ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے اس لئے تم سب متحد ومتفق ہوکر رہو، کیونکہ حقیقی مسلمان وہی ہے جس کے زبان وہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس کے احکامات کی خلاف ورزی سے بچو، جہاں کہیں بھلائی کی بات دیکھو اسے قبول کرو اور جہاں بدی نظر آئے اس سے پرہیز کرو۔

جن حالات میں حضرت علیؓ سریر آرائے خلافت ہوئے وہ غیر معمولی قسم کے نہایت پر آشوب حالات تھے، ایک طرف قصاص عثمانؓ کا سنگین مسئلہ درپیش تھا تو دوسری طرف حضرت معاویہؓ کی معزولی نے ایک نئی شورش برپا کررکھی تھی، اس کے بعد بھی یکے بعد دیگرے سخت حالات آتے رہے؛ مگر عزم واستقامت کا یہ کوہ ہمالیہ انتہائی جرئت وشجاعت کے ساتھ دیوانہ وار ان کا مقابلہ کرتا رہا بالخصوص جنگ جمل اور جنگ صفین (جو مشاجرات صحابہؓ کے عنوان سے معنون ہے) میں جس دور اندیشی اور حکمت ودانائی سے کام لیا وہ واقعۃً آپ ہی کا حق تھا۔

ان پریشان کن حالات کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصلاحات کا کام جاری رکھا۔ آپ اپنے عاملوں کی نگرانی کرتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ بیت المال کے دروازے غریبوں کے لیے کھلے تھے۔ اس میں جو رقم آتی، آپ ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپ خود بہت تجربہ کار جنگ آزما تھے۔ جنگی معاملات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے فوجی چھاؤنیاں نہایت کثرت سے قائم کیں۔ ایران کی طرف شورش اور بغاوت کی وجہ سے آپ نے اصطخر میں ایک قلعہ بنوایا؛ تاکہ خطرے کے وقت عورتوں اور بچوں کی حفاظت ہو سکے۔ جنگی تعمیرات کے سلسلے میں دریائے فرات پر پل بنوایا۔ یمن میں اسلام کی روشنی آپ ہی کی کوششوں سے پھیلی تھی۔ آپ کے خلیفہ بننے کے بعد ایران اور آرمینیہ کے نئے نئے مسلمان مرتد ہوگئے تو آپ نے ان کی سرکوبی فرمائی، چنانچہ ان میں سے اکثر نے توبہ کی اور مسلمان ہوگئے۔ اسی طرح خارجیوں کا قلع قمع کیا۔ سبائی گروہ میں سے کچھ آپ رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے لگے تھے، آپ نے انہیں عبرت ناک سزائیں دیں اور ان کے گھروں کو ڈھا دیا۔

آپ کی سیاسی خدمات پر ایک نظر

حضرت علی مرتضیٰؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کو دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ فتوحاتِ اسلامیہ کے دائرہ کو وسیع کرسکیں، تاہم آپ بیرونی امور سے کبھی غافل نہ رہے چنانچہ سیستاں اور کابل کی سمت میں بعض عرب خودمختار ہوگئے تھے ان کو قابو میں کرکے قدم آگے بڑھایا اور ۳۸ر ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، علاوہ ازیں انتظام مملکت میں حتی الوسع حضرت فاروق اعظمؓ کے نقشِ قدم کی پیروی کی، اعمال کے محاسبے کا فاروقی نظام بحال کیا، رات کو شہروں کی گشت کا معمول بنایا، آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا علاوہ ازیں حضرت علیؓ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہوگئے تھے حضرت علیؓ نے نہایت سختی سے ان کی سرکوبی کی پھر خارجیوں اور ان سبائیوں کی بھی خوب خوب خبر لی، جنھوں نے حضرت علیؓ کی شان میں شدتِ غلو سے کام لیا ان سب کے باوجود آپ ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے، جنگی امور میں آپ کو بھرپور بصیرت حاصل تھی، اس لئے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سی فوجی اصلاحات کیں جو آپ کی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی کی بین دلیل ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض وہ حضرات جو مزاجِ قدرت سے ناآشنا اور اسلام کی ہمہ گیریت وجامعیت سے ناواقف ہیں وہ ناروا طریقے سے خلافت راشدہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، پہلے دور کو اسلام کی ترقی وپیش قدمی اور دوسرے دور کو زوال وتنزلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پہلے دور کا امام؛ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو مانتے ہیں جب کہ دوسرے دور کی قیادت حضرت عثمان وعلیؓ کے سپرد کرتے ہیں۔ مفکر اسلام علی میاں ندویؒ نے اس تقسیم کو سراسر جرائت وجسارت قرار دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک یہ چاروں حضرات فرداً فرداً خلافتِ نبوی کا مظہر اتم اور مصداق کامل تھے، ذاتی فضائل ومناقب اور ان کی بناء پر تفاوتِ درجات کو الگ کرکے خلافتِ راشدہ کا مزاج اور اس کی روح ان میں سے ہر ایک میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، میرے نزدیک اسلام کی زندگی میں پیش آنے والے تمام ادوار ومراحل کی نمائندگی خلافتِ راشدہ کے اس مختصر سے دور میں۔ جو ۴۰ سال سے متجاوز نہیں۔ کردی گئی ہے اور ہر آنے والے ناگزیر دور کے لئے اس میں رہنمائی کا سامان ہے۔

آغازِ کار اور اقبال وترقی کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان ویقین کا مظاہرہ کرنا چاہئے اس کی رہنمائی ہم کو ابوبکرؓ کی حیات طیبہ سے حاصل ہوتی ہے، عروج وشباب اور امن ونظام کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان ویقین کا مظاہرہ کرنا چاہئے اس کی رہنمائی ہم کو فاروق اعظمؓ کے دور خلافت سے ملتی ہے، مخالفتوں، شورشوں، فتنوں، بے نظمی اور انتشار کے وقت کس ثبات واستقامت، کس پامردی اور دلیری اور کس ایمان ویقین کی ضرورت ہے اس کا نمونہ ہم کو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی زندگی میں ملتا ہے۔''

وفات:

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت خوارج کے ہاتھوں ہوئی، یہ وہی گروہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں شامل تھا، بعد میں اس پارٹی میں اختلافات پیدا ہوگئے اور خوارج نے اپنی جماعت الگ بنا لی۔ چناں چہ سترہ رمضان المبارک 40/ ہجری بروز جمعہ فجر کے وقت خارجی عبدالرحمن بن ملجم مرادی اپنے دوساتھیوں کے ہمراہ جامع مسجد کوفہ پہنچا اور تینوں مسجد کے

(باقی ص۱۴ پر)

اپنے مالک وخالق کی طرف لو لگائیں

تحریر: مولانا شمس الحق ندوی

ہر مسلمان یہ یقین وعقیدہ رکھتا ہے کہ اس پوری کائنات کی خالق و مالک اور اس کے پورے نظام کو چلانے والی ایک ہی خدا کی ذات ہے، جو عزیز بھی ہے اور نا قابل تصور قوت و طاقت والی بھی، سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کو کسی شریک اور معاون و مددگار کی ضرورت نہیں، اس دنیا میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے، اس میں اسی کی حکمت ومصلحت کام کرتی ہے، کبھی ایسے حالات پیش آتے ہیں جو انسان کو ابتلاء وآزمائش کے دور سے گزارتے ہیں، لیکن اس میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی ایسے حالات لاتا ہے جو ہمارے لیے بڑے امتحان وآزمائش کے ہوتے ہیں لیکن اس راز کو سمجھنا چاہیے کہ اس میں ہماری ہی خیر ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود اس طرح فرمایا ہے: ''ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند اور وہی تمہارے لیے بری ہو، اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔'' (سورۃ البقرہ، ۲۱۶)

اس لیے مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حالات سے گھبرانے کے بجائے اپنے مالک کی طرف لو لگائے اور اس بات کا جائزہ لے کہ اس کی یعنی بندہ کی کوتاہی اور بے عملی کے نتیجہ میں تو یہ حالات نہیں پیش آرہے ہیں؟ یورپ کی مسلح مادّیت نے اس وقت پورے عالم پر جو اثر ڈالا ہے خود مسلمان جس طرح اس کے نرغے میں ہیں اور اس کے خلاف نئے نئے انداز سے طرح طرح کی دل دکھانے والی باتیں کی جارہی ہیں کہ مسلمان مشتعل و بے قابو ہوجائیں مگر ہم کو ان تمام حالات میں قرآن کریم سے روشنی حاصل کرنی چاہیے جس مالک نے اپنی حکمت بالغہ سے ان کو یہ چھوٹ اور مہلت دی ہے، وہ کہتا ہے یہ جو کچھ بک رہے ہیں اس پر صبر سے کام لو اور شریفانہ انداز میں ان سے نباہ کرو۔ فرمایا: ''اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ۔'' (سورہ مزمل: ۱۰۰)

اس صورتِ حال کے مقابلے کے لیے ضروری ہے کہ ہم فرمانِ خداوندی ''صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (سورۃ البقرہ: ۱۵۳) کا سہارا لیں۔ صبر واستقامت کا ثبوت دیں، ہماری نمازیں درست ہوں، یہ طاقت نمازوں سے پیدا ہوتی ہے اور مسجدوں سے مانوس ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس مسلح مادّیت کا مقابلہ کریں جس کو یورپ و امریکہ نے بہترین اسلحہ سے لیس کر رکھا ہے تو اس کا مقابلہ صرف تنظیم، جوشیلی تقریروں اور بیان بازیوں سے نہیں ہوسکتا اس کے لیے ہمارے اندر ایمانی طاقت کی ضرورت ہے، اپنے معبود حقیقی سے اس عمومی تعلق کی ضرورت ہے جس سے لشکر ابلیس خائف ہے۔ اقبال مرحوم نے اپنے کلام میں اس کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے کارکنوں سے سارے عالم کے نظاموں کا جائزہ لینے کے بعد کہا کہ ہم کو ان نظاموں سے کوئی خطرہ نہیں، ان کی طاقت اور قوتِ مدارت کے کھیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ کہتے ہیں:

> **مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حالات سے گھبرانے کے بجائے اپنے مالک کی طرف لو لگائے اور اس بات کا جائزہ لے کہ اس کی یعنی بندہ کی کوتاہی اور بے عملی کے نتیجہ میں تو یہ حالات نہیں پیش آرہے ہیں؟ یورپ کی مسلح مادّیت نے اس وقت پورے عالم پر جو اثر ڈالا ہے خود مسلمان جس طرح اس کے نرغے میں ہیں اور اس کے خلاف نئے نئے انداز سے طرح طرح کی دل دکھانے والی باتیں کی جارہی ہیں کہ مسلمان مشتعل و بے قابو ہوجائیں مگر ہم کو ان تمام حالات میں قرآن کریم سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔**

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

ابلیس کہتا ہے کہ خطرہ ہم کو اس امت سے ہے، اقبال کے الفاظ میں:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب بھی نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم لہو

خال خال کے بجائے اگر ہماری اکثریت کا یہ حال ہوجائے تو پھر کوئی طاقت ہم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔'' (سورہ محمد: ۷) مسلمان یہ نہ دیکھے کہ کون کیا کہہ رہا ہے؟ وہ یہ دیکھے کہ وہ خود کیا کہہ رہا اور کررہا ہے؟ اس کا اپنے عقیدہ اور مالک حقیقی سے کتنا تعلق ہے؟ اگر یہ تعلق صحیح ہے اور مالک کے منشا کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے کوشاں ہے تو پھر بڑے سے بڑا طوفان اور آندھیاں اس کو ہلا نہیں سکتیں۔ خدا فرماتا ہے وہ ان کی حفاظت کی ضمانت لیتا ہے، فرماتا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا، اگر تم خود راہِ راست پر ہو، اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔'' (سورہ مائدہ: ۱۰۵)

دوسری جگہ فرماتا ہے: ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہوجاؤ، اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' (سورہ فصلت: ۳۰)

اس یقین اور اعتماد کو بڑھانے کے لیے قرآن کریم نے کیسے کیسے واقعات بیان کیے ہیں۔ فرعون نے چاہا کہ موسیٰ پیدا نہ ہوں، مگر وہ پیدا ہوکر رہے، اس نے منصوبہ بنایا کہ وہ زندہ نہ رہیں مگر وہ زندہ رہے اور اسی کی حفاظت میں پروان چڑھے، پھر وہ دن بھی آیا کہ انھیں موسیٰ اور ان کی قوم کی نگاہوں کے سامنے جس کے ظلم و جور کی چکی میں وہ برسہا برس سے پس رہے تھے، اپنے پورے لاؤ لشکر، وزرا و حکام کے ساتھ دریا میں ڈوب گیا۔ ہم تاریخ کے ان حقائق سے اچھی طرح واقف ہیں مگر غور وفکر نہیں کرتے کہ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور ہم اس کے احکام پر کتنی سنجیدگی سے عمل کررہے ہیں۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو آگ کو حکم ہوا: ''اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔'' (سورہ انبیاء: ۶۹) اور نمرود کو ذرا سے مچھر نے مار ڈالا۔ یوسف علیہ السلام کس بے بسی کے عالم میں کنویں میں ڈالے جاتے ہیں لیکن کنویں سے نکال کر تخت شاہی پر بٹھائے جاتے ہیں اور کنویں میں ڈالنے والے ان کے سامنے سوالی بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ قوم لوط کہتی ہے، لوط اور ان کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں، مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکال ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے، بڑے پاکباز بنتے ہیں یہ۔'' (سورہ الاعراف: ۸۲) مگر آپ جانتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوا؟ حضرت لوط اور مسلمان گھرانے کو بستی سے نکال لیا گیا اور ان سرکشوں پر پتھر برسائے گئے اور بستی کو ان پر پلٹ دیا گیا جس کے نشانات عبرت کے لیے اب تک باقی بتائے جاتے ہیں۔ اب اگر مسلمان اپنے بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے کے بجائے صرف دہائی دیتے رہتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کا بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا، جس کی پوری تصویر کشی سورہ بنی اسرائیل میں کردی گئی ہے اور اسی لیے کردی گئی ہے اور اس کو قیامت تک باقی رہنے والی کتاب قرآن کریم میں محفوظ کردیا گیا ہے کہ مسلمان اس کو پڑھیں، سبق لیں اور اپنے آپ کو سنبھالیں اور راہِ راست پر لگائیں۔ وہ صرف کلمہ گو مسلمان ہوکر نہ رہ جائیں، صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا حفاظت کی ضمانت نہیں دے سکتا، پوری تاریخ اسلامی بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے اس میں کمی کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے منکروں سے ان کو پٹوادیا ہے۔ ضرورت ہے دل کے اندر اس کلمہ کی حقیقت کو اتارنے اور اس پر عمل کرنے کی، صرف کلمہ گو مسلمان بنے رہنے سے ہم کو وہ قوت و طاقت نہیں حاصل ہوسکتی جو حالات کا مقابلہ کرسکے اور اس کو مادّیت کے اس تیز دھارے سے بچا اور نکال سکے جس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد حالات کے تقاضے کا بہانہ بناتے ہوئے بہتی جارہی ہے۔ یہ طاقت تو اسی وقت حاصل ہوگی جب مئے توحید سے اس طرح سرشار ہوں کہ پھر کسی اور جانب دیکھنا ہی نہ پھڑے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس بات کو بڑے مؤثر طریق سے اس طرح بیان کیا تھا:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

کاش ایسا ہو کہ ہمارا ذوقِ ایمانی انگڑائی لے، روحانی جذبات لہرائیں اور ایسی دھن سوار ہو کہ کچھ اور نہ سوجھے۔ اپنی ساری مشغولیات کے ساتھ ساتھ اپنے دائرۂ کار، حلقہ احباب اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں چلتے پھرتے ایمانی چراغ روشن کرنے کی فکر بہت بڑی چیز ہے جو ہزار بلاؤں سے نجات دلانے کے لیے کافی ہوگی مگر شرط یہی ہے کہ ہم ویسے بن جائیں جیسی ہم سے توقع کی گئی اور جیسا ہم کو حکم دیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے آسانی کی طرف انشاء اللہ ہماری رہنمائی فرمائے گا۔ ◻◻

اہل علم کے لئے کچھ گرانقدر نصیحتیں

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے سینہ کو اللہ تعالی نے حکمت ومعرفت سے معمور فرمادیا تھا، آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات آنے والی نسلوں کے لئے منارۂ نور اور مشعل ہدایت بن گئے ہیں، جن سے ہزارہا ہزار خلق خدا مستفیض ہو رہی ہے اور برابر ہوتی رہے گی، انشاء اللہ تعالی۔ بلاشبہ ان ملفوظات کا ایک ایک لفظ روشن اور حقیقت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

○ فرمایا: ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے، اس لئے حتی الامکان ان پر اعتراض اور تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔ ○ مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں، دین دار ہونا خوشی کی بات ہے۔ ○ زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہوجاتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔ ○ علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے، صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے اور عمل کے ساتھ مناسبت بھی ہوتی ہے، بڑی ضرورت ہے شیخ کی، نری کتابیں کافی نہیں۔ ○ علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے، جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ مذہب برباد ہوگیا۔ ○ دو چیزیں اہلِ علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں، حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہئے۔ ○ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لو۔ ○ بے کار وقت کھونا نہایت برا ہے، اگر کچھ کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے، مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں، کسی کی حکایت میں بعض مرتبہ غیبت کی نوبت آجاتی ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ○ ملنے جلنے میں ہزارہا مفاسد ہیں، اختلاط سے سینکڑوں بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔ ○ جس کے معتقد ہو اس کے کہنے کو برا نہ مانو، تھوڑی دیر کے لئے صبر کرلو، شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں اگر وہ اس کا امتحان ہونا پہلے ہی سے بتلادیں تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔ ○ آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہئے، نہ علم وفضل پر، نہ عقل وفہم پر، نہ زہد وتقوی پر، نہ عبادت واعمال پر، نہ شجاعت وقوت پر، نہ حسن وجمال پر، یہ سب حق تعالی کی عطا ہیں پھر ناز کس پر؟ ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے، اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے، اگر ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔ ○ جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اس سے پوچھ کر سب باتیں کرنی چاہئیں، یہ تاکید لڑکوں کو خاص طور پر رکھنا چاہئے۔ ○ جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ ○ فرمایا: چھوٹی جگہ میں رہ کر کام زیادہ ہوسکتا ہے کیوں کہ وقت فراغت کا زیادہ ملتا ہے، اور بڑی جگہ رہ کر چھوٹا کام بھی نہیں کرسکتا، اور نہ ہوسکتا ہے کیوں کہ زیادہ وقت لوگوں کی دل جوئی میں گذرتا ہے، اس وقت تک جو کام ہوا ہے یہ سب اسی جگہ کی برکت ہے، کام تو گم نامی ہی میں ہوتا ہے۔ ○ جب آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں، کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں، دوستی ہوگی تو حدود سے باہر، دشمنی ہوگی تو حدود سے باہر، ایسا شخص خطرناک ہوگا، ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھنا یہی بڑا کمال ہے، آج کل اکثر مشائخ وعلماء میں اس کی کمی ہے، کوئی چیز ان کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں۔

عالمی خبریں

میانمار کی فوجی عدالت میں آنگسان سوچی کے خلاف پہلا فیصلہ متوقع

میانمار کی معزول رہنما آنگسان سوچی کے خلاف اشتعال انگیزی کے مقدمے میں فیصلہ جلد متوقع ہے۔ یہ اقتدار پر قابض فوج کی عدالت میں سنائے جانے والے فیصلوں کی فہرست میں پہلا ہے جس سے سوچی کو دہائیوں تک کے لیے جیل بھیجا جا سکتا ہے۔ نوبل انعام یافتہ آنگسان سوچی اس وقت سے حراست میں ہیں جب رواں سال یکم فروری کو فوج نے ان کی حکومت ختم کردی تھی۔ مقامی مانیٹرنگ گروپ کے مطابق میانمار میں جمہوریت پسندوں کے خلاف ہونے والے کریک ڈاؤن میں ایک ہزار ۲۰۰ سے زائد افراد ہلاک اور ہزار سے زائد گرفتار ہوئے ہیں۔ فوج کے خلاف اشتعال انگیزی کے مقدمے میں اگر آنگسان سوچی قصوروار پائی جاتی ہیں تو انہیں تین سال قید ہوسکتی ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ یہ کئی الزامات میں سے صرف ایک ہے، جن کا مقصد جمہوریت کی آئیکن کو سیاست سے ہمیشہ کے لیے نکالنا ہے۔ تاہم میانمار میں فوج کے آنگسان سوچی سے متعلق ارادے ابھی معلوم نہیں اور حکام مقدمے پر فیصلے میں تاخیر بھی کرسکتے ہیں۔

کورونا کی نئی قسم کا سراغ لگانے کی سزا دی جارہی ہے: جنوبی افریقہ

جنوبی افریقہ نے شکوہ کیا ہے کہ اسے کورونا وائرس کی نئی قسم 'اومیکرون' کا سراغ لگانے کی سزا دی جارہی ہے۔ فرانسیسی خبر رساں ادارے اے ایف پی کے مطابق کورونا وائرس کی نئی قسم اومیکرون کو عالمی ادارہ صحت نے تشویشناک قسم قرار دیا ہے اور یہ وائرس ڈیلٹا ویریئنٹ کی نسبت زیادہ تیزی سے منتقل ہوتا ہے۔ جنوبی افریقہ کی وزارت خارجہ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ کورونا کی نئی قسم کے سامنے آنے کے بعد دنیا کے کئی ممالک کی جانب سے جنوبی افریقہ سے آنے والی پروازوں پر پابندی کا فیصلہ جنوبی افریقہ کو سزا دینے کے مترادف ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ جنوبی افریقہ کو کورونا کی نئی قسم کا فوری پتا لگانے کی سزا دی جارہی ہے۔ شاندار سائنس کو سراہنا چاہیے سزا نہیں دینی چاہیے۔ وزارت نے نشاندہی کی ہے کہ کورونا کی نئی قسم دنیا کے دیگر حصوں میں بھی دریافت ہوئی تھی۔ ان میں سے کسی بھی کیس کا جنوبی افریقہ سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ان ممالک کے ساتھ رویہ جنوبی افریقہ سے واضح طور پر مختلف ہے۔

کورونا کیس میں کمی، انڈیا کا دنیا بھر کیلئے فلائٹس بحال کرنے کا اعلان

انڈیا نے کورونا کے پھیلاؤ کے باعث معطل کی گئی بین الاقوامی فلائٹس بحال کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ہندوستان ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق سول ایوی ایشن ڈائریکٹریٹ نے دنیا بھر سے انڈیا آنے والی پروازوں کو ۱۵؍دسمبر سے اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ انڈیا سے دنیا کے کئی ملکوں کو جانے اور انڈیا آنے والی بین الاقوامی مسافر پروازوں کو گزشتہ برس مارچ میں معطل کیا گیا تھا۔ ڈائریکٹر جنرل سول ایوی ایشن کے دفتر سے جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا ہے کہ معاملے پر نظر ثانی کی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۱۵؍دسمبر سے انڈیا کے لیے تمام بین الاقوامی پروازیں بحال کی جائیں۔ اس وقت انڈین مسافر کئی ملکوں کے سفر کے لیے حفاظتی اور احتیاطی تدابیر اپناتے ہیں جبکہ بعض ملکوں پر سفری پابندیاں بھی عائد ہیں۔ انڈیا کے اس وقت امریکہ، برطانیہ، متحدہ عرب امارات اور فرانس سمیت ۲۸ ملکوں کے ساتھ کورونا کی وبا کے حوالے سے سفری احتیاطی تدابیر کے معاہدے ہیں۔

تیمّم ایک عظیم نعمت جو امت محمدیہ کو عطا کی گئی

تحریر: مولانا ندیم احمد انصاری

اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ موسم کا تغیر اسی کی قدرت کے ایک نشانی ہے۔ وہ خالق ہے اور اس کے سوا سب مخلوق۔ وہ جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے، جس طرح چاہتا ہے، پھیر دیتا ہے۔ اس نے انسان کو تمام مخلوقات پر شرف و بزرگی عطا کی اور دیگر تمام مخلوقات کو انسان کی خدمت پر مامور فرمایا۔ موسم آنے جانے والے ہوتے ہیں۔ کبھی گرمی ہوتی ہے، جس سے بہت سے کام نکلنے ہیں۔ لیکن جب انسان اس سے سخت تکلیف محسوس کرتا ہے تو ربِ کائنات اپنی قدرت سے موسم کو تبدیل کر دیتا ہے اور بادلوں سے مینہ برساتا ہے، جس سے جلتی ہوئی دھرتی سکون پاتی ہے، فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور پانی کا ذخیرہ جمع ہوتا ہے۔ کبھی وہ قادرِ مطلق ٹھنڈی ہوائیں چلاتا اور موسم میں خنکی پیدا کر دیتا ہے، جس سے مخلوق فرحت وانبساط محسوس کرتے ہیں۔ لیکن کبھی بعض علاقوں میں ٹھنڈی اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ وضو اور غسل کرنا- جو کہ بدن کی صفائی کے ساتھ ساتھ اس پاک پروردگار کی عبادت کے وسیلے بھی ہیں- مشکل بلکہ مہلک بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن قربان جایئے اس رحیم وکریم رب کے کہ اس نے اپنے بندوں کو ہلاک ہونے سے بچایا اور نبیِ آخرالزماں کے ذریعے قیامت تک آنے والی انسانیت کے تمام مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے عام اجازت دے دی کہ جو حضرات وضو وغسل کے لیے پانی پر قدرت نہیں رکھتے، خواہ پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں یا یہ کہ پانی تو میسّر ہو لیکن کسی عذر کے باعث وہ اس کو استعمال پر قادر نہ ہوں- ان تمام لوگوں کو اللہ رب العزت نے بعض شرائط کے ساتھ 'تیمّم' کی اجازت دی ہے اور یہ نعمت اس امت کو خاتم النبیین، حبیبِ خدا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ملی ہے۔ اس وقت بھارت کے بعض علاقوں میں خاصی ٹھنڈ محسوس کی جا رہی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ تیمّم سے متعلق چند ضروری باتیں پیش کر دی جائیں۔

تیمم اور اس کی اجازت

تیمّم کے لغوی معنی ہیں: قصد کرنا، اور شرعی اصطلاح میں اس لفظ کا مطلب ہوتا ہے 'پاکی حاصل کرنے کی نیت سے پاک مٹی کے قائم مقام کسی چیز کا قصد کرنا اور اس کو منہ ہاتھ وغیرہ پر لگانا'۔ (مرقاۃ المفاتیح) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ۔ پس تم پاک مٹی سے تیمّم کرو اور اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کو ملو۔ (المائدہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، انھوں نے (اپنی بہن) حضرت اسماءؓ سے ہار عاریتاً لیا تھا، وہ گم ہو گیا تو حضرت نبی کریمؐ نے اسے ڈھونڈنے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ (پانی تھا نہیں) اس لیے انھوں نے بغیر وضو نماز پڑھ لی۔ جب وہ حضرت نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ شکایت پیش کی۔ اس پر آیتِ تیمّم نازل ہوئی، تو اسید بن حضیرؓ (عائشہؓ سے) کہنے لگے: اللہ آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر کوئی پریشانی آئی، اللہ تعالیٰ نے اس میں راہ نکال دی اور اہلِ اسلام کے لیے اس میں برکت فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وضو وطہارت کے لیے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام قرار دے دیا، جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے۔ (معارف القرآن)

> **تیمم کے لغوی معنی ھیں قصد کرنا، اور شرعی اصطلاح میں اس لفظ کا مطلب ھوتا ھے پاکی حاصل کرنے کی نیت سے پاک مٹی کے قائم مقام کسی چیز کا قصد کرنا اور اس کو منہ ھاتھ وغیرہ پر لگانا' ۔ تیمم ۵/ھ میں مشروع ھوا۔ یہ پانی دستیاب نہ ھونے یا معذور ھونے کی صورت میں وضو اور غسل کا قائم مقام ھوتا ھے اور اللہ تعالیٰ کی ان جلیل القدر نعمتوں میں سے ایک ھے جو اس نے اپنے فضل و کرم سے صرف امتِ محمدیہ کو عطا کی ھیں۔ گذشتہ امتوں میں تیمم مشروع نھیں تھا۔**

تیمم صرف امتِ محمدیہ کے لیے

تیمّم ۵/ھ میں مشروع ہوا۔ یہ پانی دستیاب نہ ہونے یا معذور ہونے کی صورت میں وضو اور غسل کا قائم مقام ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان جلیل القدر نعمتوں میں سے ایک ہے جو اس نے اپنے فضل و کرم سے صرف امتِ محمدیہ کو عطا کی ہیں۔ گذشتہ امتوں میں تیمّم مشروع نہیں تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں: (۱) ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی (۲) زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی، لہٰذا میری امت میں جس شخص پر نماز کا وقت (جہاں) آ جائے، اسے چاہیے کہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیے گئے، حالاں کہ مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لیے حلال نہیں کیے گئے تھے (۴) مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی (۵) ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام آدمیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (بخاری)

پانی پر قدرت نہ ہونے پر تیمم

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پاک مٹی مسلمان کے لیے پاک کرنے والی ہے، اگرچہ اسے دس سال تک پانی نہ ملے۔ پھر جب پانی مل جائے تو وضو اور غسل کرے، کیوں کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ (ترمذی) اور سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور پانی نہ مل سکا! تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ سفر میں جنبی ہو گئے تھے تو آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں (مٹی میں) چمٹ گیا اور نماز پڑھ لی، پھر میں نے حضرت نبی کریمؐ سے اس کو بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: تجھے صرف اتنا کافی تھا (یہ کہہ کر) آپ نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونک دیا، پھر ان سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح فرما لیا۔ (بخاری)

سردیوں میں تیمم

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے سردی کے زمانے میں ایک رات غزوۂ ذات السلاسل میں احتلام ہو گیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، اس لیے میں نے تیمّم کر کے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی، بعد میں میرے ساتھیوں نے حضرت نبی کریمؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ تم اپنے آپ کو قتل مت کرو اور اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے! یہ سن کر آپ مسکرا دیے اور کچھ نہ کہا۔ (ابوداود) تیمّم جائز ہونے کے پانی کے استعمال سے عاجز ہونا شرط ہے، خواہ وہ اس وجہ سے ہو کہ پانی مفقود رہے، یا اس وجہ سے کہ پانی کے استعمال سے مرض کی زیادتی وامتداد کا خوف ہے، یا سردی کی وجہ سے ہلاکی یا بیماری کا اندیشہ ہے اور پانی گرم نہیں مل سکتا۔ پس اگر ان امور میں سے کوئی امر پایا جائے تو تیمّم جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ اگر سرد پانی سے مرض کا اندیشہ ہو تو گرم پانی سے غسل (یا وضو) کرنا چاہیے، اگر گرم پانی سے ظنِ غالب یا ماہر مسلمان ڈاکٹر کے مطابق مرض کا اندیشہ ہو تو تیمّم جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (عزیز الفتاویٰ)

تیمم کا مسنون طریقہ

تیمّم کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کرتا ہوں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے اندرونی جانب سے کشادہ کر کے مار کر ملتا ہوا آگے کو لائے اور پھر پیچھے لے جائے۔ پھر ان کو اٹھا کر اس طرح جھاڑے کہ دونوں ہتھیلیوں کو نیچے کی طرف مائل کر کے دونوں انگوٹھوں کو آپس میں ٹکرا دے کہ زائد مٹی گر جائے اور اس طرح نہ جھاڑے کہ دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں ملے کہ اس طرح ضرب باطل ہو جائے گی، اور اگر زیادہ مٹی لگ جائے تو پھونک مار کر اڑا دے۔ پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے منہ پر اوپر سے نیچے کو اس طرح مسح کرے کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ ایک بال برابر بھی اگر جگہ چھوٹ گئی تو تیمّم جائز نہ ہوگا۔ ڈاڑھی کا خلال بھی کرے۔ پھر پہلے کی طرح دونوں ہاتھ مٹی پر مارے اور جھاڑے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمے کی انگلی اور انگوٹھے کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے سوا چاروں انگلیوں کے سرے سے پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ لائے اور اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی کچھ لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے۔ پھر باقی دونوں انگلیوں (یعنی انگشتِ شہادت اور انگوٹھا) اور ہاتھ کی باقی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر کہنی کی طرف سے پہنچے (کلائی) تک کھینچا جائے اور انگوٹھے کے اوپر کی جانب بھی اس کے ساتھ ہی مسح کرے۔ مسح عضو تمام ہونے سے پہلے اگر ہاتھ اٹھا لیا تو ضرب باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔ پھر انگلیوں کا خلال کرے۔ ہاتھوں کے مسح کا دوسرا طریقہ اس طرح ہے کہ بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیوں کے اوپر یعنی پشت کی جانب انگلیوں کے سروں سے کہنیوں تک مسح کرے پھر صرف ہتھیلی سے یعنی بغیر انگلیوں کے کہنی سے کلائی تک دوسری یعنی اندر کی جانب مسح کرے، پھر بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے سے دائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے سے دائیں انگوٹھے کے ظاہری (پشت) کے حصے کا مسح کرے۔ پھر اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔ دونوں طریقے صحیح اور احوط ہیں۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمّم کا یہی طریقہ ہے۔ اگر انگوٹھی وغیرہ ہو تو اس کو اتار دے یا ہلا کر اس کی جگہ بھی مسح کرے۔ □□

بچّوں کا گوشہ

بچوں میں احساسِ ذمہ داری پیدا کریں (۳)

(۵) بچے سے خاص ٹاسک یا کام کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور ابتدا آسان گھریلو کاموں سے ہونی چاہیے۔

(۶) اپنے بچے کو اس سے وابستہ اپنی توقعات سے آگاہ کریں نیز ذمہ داریوں کی عدم ادائیگی کے برے انجام سے بھی اسے باخبر کریں۔

(۷) بچے سے جن کاموں کے انجام دینے اور اکیلے ذمہ داریاں اُٹھانے کا آپ نے مطالبہ کیا ہے، ان کے اوقات کا دھیان رکھیں، ساتھ ہی اس بات پر بھی نظر رکھیں کہ کب وہ اس سے بڑی ذمہ داری اُٹھانے کے لیے تیار ہوگا اور اسے یہ ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھانے دیں۔

(۸) اپنے چھوٹے بچے کو ہمیشہ اس کے کام یاد دلاتے رہیں کیونکہ اسے اس کی ضرورت ہے، یاد دہانی کے لیے آپ مختلف وسائل مثلاً بورڈ ٹائم ٹیبل وغیرہ کا استعمال کر سکتے ہیں۔

(۹) پہلی بار جب آپ کے بچے نے آپ کی مدد کی یا کاموں کو بذات خود کرنے کی کوشش کی اس کا دھیان رکھیں اور اس کی ان کوششوں پر اس کی ہمت افزائی کریں نیز تعریف کریں، اس پر اسے انعام وغیرہ بھی دیا جانا چاہیے۔

(۱۰) اپنے بچے کو یہ باور کرائیں کہ آپ اس سے مطمئن ہیں اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(۱۱) اپنے بچے سے آپ کو جو توقعات ہیں اس کا مطالبہ کریں لیکن لازمی قرار نہ دیں۔

(۱۲) جو کام آپ نے اس کے سپرد کیا ہے چاہے جتنا بھی وقت لگے اسے ہی کرنے دیں، اسے کبھی بھی یہ نہیں لگنا چاہیے کہ اگر وہ نہیں کرے گا تو آپ کر دیں گے کیونکہ اس کے بغیر اس میں احساسِ ذمہ داری پیدا نہیں ہوگا۔ اگر گھر والے بچے کا تمام کام خود ہی کریں گے تو وہ کبھی بھی ایک ذمہ دار انسان نہیں بن پائے گا۔

(۱۳) اگر وہ صحیح طور پر کام نہ کر پائے تو اسے تنقید کا نشانہ نہ بنائیں یا اس کا مذاق نہ اُڑائیں، اسی طرح ناکامی کا احساس نہ دلائیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ کے بچے نے کوشش کی۔ آئندہ وہی کام دانشمندی سے بتدریج کرائیں، نتائج ضرور برآمد ہوں گے۔

نعت شریف

محمد امتیاز ماہرؔ

مجھے طیبہ کا اب ہر ایک منظر یاد آتا ہے
وہاں گزرا جو ہر لمحہ برابر یاد آتا ہے

شبِ ہجرت کی دور اندیشیاں تڑپا سی دیتی ہیں
علیؓ سوئے تھے جس پر ان کا بستر یاد آتا ہے

نبی کے دیکھ لینے سے مٹی جاتی تھی جن کی بھوک
نبی کے جاں نثاروں کا وہ لشکر یاد آتا ہے

کوئی آ جائے، کب محروم لوٹاتے اسے آقا
غریبوں بے کسوں کا مجھ کو یاور یاد آتا ہے

جنھیں سب غیر بھی صادق امیں کہتے تھے دنیا میں
صداقت کا امانت کا وہ پیکر یاد آتا ہے

مثالی خلق تھے جن کے، مثالی جن کی سیرت تھی
وہی مجھ کو محبت کا سمندر یاد آتا ہے

حفاظت تھی خدا کی جو وہاں مکڑی کے جالے تھے
جو ڈالے غار پر انڈے کبوتر یاد آتا ہے

میں نعتیں ڈوب کر کہتا ہوں ان کے عشق میں ماہرؔ
مجھے حسانؓ سا ہر اِک سخنور یاد آتا ہے

گوشۂ خواتین

لڑکی نے کُشتی جیت لی (۱)

جہاں کسی پہلوان کی کشتی ہوتی ہے ٹکٹ لگ جاتے ہیں۔ پانچ روپے کے ٹکٹ، تین روپے کے ٹکٹ اور دو روپے کے ٹکٹ، مگر یہ کشتی بغیر ٹکٹ کے دِکھائی جاتی ہے۔ جس لڑکی نے اپنے نفس اور ضمیر سے کشتی لڑی تھی اور نفس کو پچھاڑا تھا، اس کا نام چھوٹی تھا، اس کا باپ مر گیا تھا اور بوڑھی ماں بیمار رہتی تھی۔ یہ ایک بڑے سیٹھ کے گھر میں نوکر تھی، سویرے سویرے جاتی اور شام کو آتی۔ نہ اس کا کوئی بھائی تھا نہ چچا تھا، نہ ماموں تھا، اکیلی لڑکی اور بیمار ماں، لڑکی کی ماں اپنی لڑکی کو ہمیشہ اچھی اچھی باتیں بتاتی اور نیکی کی تعلیم دیتی۔

ماں کسی اچھے گھرانے کی تھی، اس کا وقت بگڑ گیا تھا اس لیے بچی کو سیٹھ کے گھر نوکر رکھا دیا تھا۔ یہ بچی کبھی جھوٹ نہ بولتی تھی، نہ کسی کی کوئی چیز بغیر اجازت چھوتی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ لڑکی سیٹھ کے ہاں گئی، سیٹھانی نے کہا، چھوٹی ذرا باورچی خانے میں جا کر برتن دھو ڈالو اور انگیٹھی کی راکھ جھاڑ کر آگ سلگا دو۔ چھوٹی انگیٹھی کی راکھ جھاڑنے بیٹھی تو راکھ میں ایک چمک دار چیز نظر آئی، اُٹھایا تو نہایت خوبصورت سونے کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ جگمگ جگمگ کر رہا تھا، اس پر الماس کا نگینہ تھا۔

چھوٹی کے جی میں آیا کہ انگوٹھی چھپا لے، ایسی انگوٹھی کہاں ملے گی، نہ جانے کتنی قیمت کی ہے، بیچی جائے تو روپیہ کا ڈھیر لگ جائے گا۔ ساتھ ہی چھوٹی کو اپنے اوپر بڑا غصہ آیا کہ یہ بات میرے جی میں آئی کیوں؟ نہ جانے کس کی انگوٹھی ہے، میں کیوں رکھ لوں اور چوری کا گناہ کیوں سمیٹوں۔ (جاری)

صفحہ تحفظ ختم نبوت

ہندستان میں فتنہ قادیانیت ایک جائزہ

حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان منصورپوریؒ کی ایک نابغۂ روزگار تحریر

ہندستان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے انگریزوں نے مختلف حربے استعمال کیے، لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت ہندستان میں معاشرتی زندگی کو تباہ کرنے کے لیے اس نے جہاں ایک طرف ایسی نصابی کتابیں مرتب کرائیں جن کے پڑھنے سے یہاں کے بسنے والوں کے درمیان آپس میں منافرت بڑھے، وہیں اس نے نئے نئے فرقوں کو منظر عام پر لانے اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کو بالخصوص نقصان پہنچانے کی کوشش کی، اسی طرح کا ایک فتنہ قادیانیت کا تھا جس نے مسلمانوں کی سیاسی، علمی اور اعتقادی حیثیت کو متزلزل کردیا۔ یہ فتنہ انگریزوں کے زیر اثر چودہویں صدی ہجری سے چلا آرہا ہے۔

قادیانیت کیا ھے؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری

ہندستان میں بعض ناواقف لوگ ان کے فریب کا شکار ہوکر قادیانیوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں اور اس کو محض ایک پاکستانی مسئلہ قرار دے کر قادیانیت کی فتنہ سامانیوں سے صرف نظر کرلیتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان کے لٹریچر کی روشنی میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے کفر وارتداد کو واضح کردیا جائے۔

نبی ہیں اور یہ مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے، مگر قادیانی مذہب کے بانی مرزا غلام احمد (۱۸۴۰ء تا ۱۹۰۸ء) کا کہنا ہے کہ خاتم النّبیین کا مطلب یہ نہیں کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ نبی تو آتے رہیں گے مگر رسول عربی کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ چنانچہ میں بھی رسولِ عربی کی مہر سے ہی نبی بنا ہوں۔ اس طرح کے من گھڑت خیالات وہ اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے سبھی مکاتب فکر ایسے بیہودہ خیالات کے حامل افراد کو مرتد، زندیق قرار دیتے چلے آئے ہیں لیکن آجکل قادیانی یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ پاکستانی حکومت نے علماء کے دباؤ میں آکر ظالمانہ طور پر ہمیں غیر مسلم قرار دیا ہے، ورنہ ہر جگہ قادیانیوں کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ ہندستان میں بعض ناواقف لوگ ان کے فریب کا شکار ہوکر قادیانیوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں اور اس کو محض ایک پاکستانی مسئلہ قرار دے کر قادیانیت کی فتنہ سامانیوں سے صرف نظر کرلیتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان کے لٹریچر کی روشنی میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے کفر وارتداد کو واضح کردیا جائے تاکہ عام مسلمان ان کی ارتدادی تحریک کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

مرزا غلام حمد کے چند اقوال

۱- میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ (کتاب البریہ، ص۱۰۳) ۲- اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا (یعنی مرزا غلام احمد) اے میرے بیٹے سن۔ (کتاب البشریٰ، ص۴۹ مجموعہ الہاماتِ مرزا) ۳- اگرچہ دنیا میں بہت سے نبی تھے مگر میں معرفت میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ (نزول المسیح، ص۱۰۱، مصنفہ غلام احمد) ۴- مجھ کو وہ چیز دی گئی جو دونوں جہاں میں کسی کو نہیں دی گئی۔ (کتاب الاستفتا، تتمہ حقیقۃ الوحی، ص۸۷) ۵- اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں زندہ ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا۔ (حقیقۃ الوحی) مرزا غلام احمد نے یہاں تک کہہ دیا کہ: مجھے وحی ہوئی ہے کہ اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا، اور رسول بھی ”محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار“ الخ۔ محمد رسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا۔ (ایک غلطی کا ازالہ، ص۴، مطبوعہ ربوہ ایڈیشن) حالانکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔

عام مسلمان قادیانیوں کی نظر میں

مرزا نے لوگوں ک دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ جو مرزا کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں، ان کی نظر میں صرف یہی لوگ ہیں جو مسلمان کہلائے جانے چاہئیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ جو اس عقیدے کے منکر ہیں وہ ذریۃ البغا یعنی کنجریوں کی اولاد ہیں۔ (آئینۂ کمالات اسلام) مرزا غلام احمد اپنی کتاب 'نجم الہدیٰ' میں لکھتے ہیں: ”دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔“ (نجم الہدیٰ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مرزا کی گستاخی

مرزا غلام احمد اپنی کتاب 'انجام آتھم' کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں: ”یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا مگر شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہوگی۔“

اس فتنہ کو طشت از بام کرنے کے لیے ابتداء میں علمائے لدھیانہ اور امرتسر مولانا غلام امرتسری، مولانا احمد اللہ امرتسری، حافظ عبدالمنان وزیرآبادی، مولانا عبدالعزیز لدھیانوی وغیرہ نے رہنمایانہ کردار ادا کیا۔ جماعت دیوبند کے سربراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے حضرت پیر علی شاہ گولڑویاوی کو حجاز مقدس میں قیام نہ فرمانے دیا اور انھیں ہندستان آنے پر مجبور کیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دیگر خلفاء مثلاً حضرت مولانا احمد حسن امروہوی، حضرت مولانا انوراللہ حیدرآبادی، حضرت مولانا محمد علی مونگیری وغیرہ نے بھی اس فتنہ کی سرکوبی کرنے کی دن رات کوششیں کیں۔ عالمی سطح پر بھی اس کو بے نقاب کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ مثلاً رابطہ عالم اسلامی نے اپریل ۱۹۷۴ء میں اسے ممنوع قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے علاوہ موتمر عالم اسلامی جامعہ ازہر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان و دیگر اسلامی ملکوں اور اداروں نے قادیانیت کو کفر وارتداد قرار دیا ہے۔

ہندستان میں موقع بموقع جن اکابر علماء نے قادیانیت کے خلاف فتوے دیئے اور اس کا مقابلہ کیا ان میں حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ، حضرت مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ حضرت مولانا شاہد فاخریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، حضرت مولانا سیّد محمد اسماعیل صاحب کٹکیؒ، حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ و دیگر بے شمار علماء کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بہرحال یہ وہ واحد موضوع ہے جس پر تمام عالم اسلام متفق ہے اور وہ قادیانیوں کو کس طرح بھی اسلامی دائرہ میں شامل نہیں سمجھتا:

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

مسلمان ھوشیار رھیں

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھلا

سیدھے سادے مسلمانوں کو بہکانے کے لیے اور انھیں اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے قادیانی لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان فروعی اختلاف ہے۔ ہمارا فرقہ بھی ایک اسلامی فرقہ ہے حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں:

”یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ کی ذات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ایک ایک چیز میں مسلمانوں سے اختلاف ہے۔“ (روزنامہ الفضل، ج۱۹، شمارہ ۱۳)

مرزا محمود قادیانی (خلیفہ دوم) کہتے ہیں: ”ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں۔“ (انورِ خلافت از محمود احمد قادیانی) مرزا بشیر احمد قادیانی کہتے ہیں: ”یہ ایک یقینی بات ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں کہیں بھی غیر احمدی کو مسلمان کہہ کر پکارا وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ حسب حکم الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔ (کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد، مندرج رسالہ ریویو آف ریلیجنز، ص۱۲۶-۱۲۷، ج۱۴) کیا ان وضاحتوں کے بعد مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیا جاسکتا ہے کہ دیگر فرقوں کی طرح قادیانی بھی ایک اسلامی فرقہ ہے۔

قادیانیت اسلام کے متوازی ایک مستقل دین و مذھب

قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قادیانیت اسلام کے متوازی ایک مستقل دین و مذہب ہے۔ قادیانی لوگ اس کا جو جی چاہے نام رکھیں مسلمانوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں، البتہ کوئی مسلمان اس چیز کو برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے عقائد و اعمال کی تعبیر اسلامی اصلاحات سے کریں اور عام مسلمانوں میں یہ پروپیگنڈہ کریں کہ یہی حقیقی اسلام ہے اور دنیا کے کروڑوں مسلمان جو اسلام اختیار کیے ہوئے ہیں وہ حقیقی اسلام نہیں اور اس کے ماننے والے

قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قادیانیت اسلام کے متوازی ایک مستقل دین ومذہب ہے۔ قادیانی لوگ اس کا جو جی چاہے نام رکھیں مسلمانوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں، البتہ کوئی مسلمان اس چیز کو برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے عقائد واعمال کی تعبیر اسلامی اصلاحات سے کریں۔

دائرۂ اسلام سے خارج اور پکے کافر ہیں۔ محض اس جرم کی وجہ سے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے منکر ہیں اور ان کو مسیح موعود نہیں مانتے، قادیانی فتنہ کی سرگرمیاں ہندستان میں ازسرنو تیز ہوتی جارہی ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ملک کے ہر علاقہ میں ان کے مقابلہ میں بے شمار علما اور دینی ادارے موجود ہیں جو پہلے کی طرح اب بھی ان کی ارتدادی کوششوں پر پانی پھیر دیں گے۔ انشاء اللہ۔

دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کے موقع پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی گئی جو انتہائی باریکی سے قادیانیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ بوقت ضرورت اس دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ □□

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دھلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بہترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ھے۔
صفحات ۱۹۶ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/150
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمنٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمنٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

اتر پردیش: کیا ہندوتو کی پتوار سے بی جے پی کی کشتی پار لگ سکے گی؟

شاہد زبیری کی ایک تجزیاتی تحریر

یو پی کے انتخابات میں چار ماہ بھی نہیں بچے ہیں۔ اضلاع میں ووٹرلسٹوں کو حتمی شکل دی جا رہی ہے۔ ای وی ایم مشینیں بھی پہنچنا شروع ہوگئی ہیں۔ سرکاری عملہ کی انتخابی مصروفیات میں اضافہ ہو رہا ہے، موسم کا درجہ حرارت نیچے گر رہا اور سیاست کا درجہ حرارت اوپر چڑھ رہا ہے۔ الفاظ کی جنگ تیز اور جارحانہ انداز اختیار کرتی جا رہی ہے، اسی کے ساتھ سیاسی صف بندیوں کا دور جاری ہے، سیاسی پارٹیوں کا انتخابی اتحاد کے عمل کا کھیل بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ کھیل میں تمام پارٹیوں کے نشانہ پر بی جے پی اور بی جے پی کے نشانہ پر تمام پارٹیاں ہیں لیکن سیاست کی اس جنگ میں ابھی جو منظر نامہ اُبھر رہا ہے اس میں بی جے پی اور سماجوادی پارٹی ایک دوسرے کے آمنے سامنے نظر آ رہی ہیں۔ مقابلہ ان دونوں پارٹیوں ہی میں طے مانا جا رہا ہے حالانکہ کانگریس نے اس سیاسی دنگل میں تمام سیٹوں پر الیکشن لڑنے کا اعلان کیا ہے، وہیں بی ایس پی بھی تنہا الیکشن لڑنے کا اعلان کر چکی ہے۔

بی جے پی کا گیم پلان جگ ظاہر ہے، اس کا ہندوتو کا ایجنڈا اب اس کا خفیہ ایجنڈا نہیں، اسی ہندوتو کے ایجنڈے کے تحت اس نے سیاسی بساط پر اپنی چالیں چلنا شروع کر دی ہیں۔ اس کی نظریں اپنے سیاسی حریفوں پر اتنی جمی ہوئی ہیں کہ حریفوں کی ذرا سی لغزش اس سے اوجھل نہیں ہے، اس کے منہ سے نکلے الفاظ کو ایسے جھپٹتی ہے جیسے شکاری اپنے شکار پر۔ سماجوادی پارٹی کے قائد اکھلیش یادو کے یکم نومبر کے جناح پر دیئے گئے بیان سے اپنے مطلب کی بات بی جے پی فوراً لے اُڑی۔ یہ اب صاف ہو چکا ہے کہ وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ ہی بی جے پی کا ۲۰۲۲ء کا بھی چہرہ ہیں۔ انھوں نے اکھلیش کے جناح والے بیان کو نہ صرف شرمناک بتایا بلکہ طالبانی ذہنیت بھی قرار دیا۔ جناح پر دیئے گئے بیان کے بعد سے سماجوادی پارٹی دفاعی پوزیشن میں نظر آ رہی ہے۔ کانگریس کے سابق قومی صدر راہل گاندھی کے ذریعہ ہندو مذہب اور ہندوتو پر پارٹی کیڈر کیمپ میں دیا گیا حالیہ بیان اور سابق وزیر خارجہ سلمان خورشید کی تازہ انگریزی کتاب 'سن رائز اوور اجودھیا' میں ہندوتو کا موازنہ نہ داعش اور بوکوحرام جیسی دہشت گرد تنظیموں سے کیا جانا بی جے پی کے لیے بلی کے بھاگو چھیکا ٹوٹ جانا جیسا ہے جس سے بی جے پی کے ہندوتو کی دھار اور تیز ہوگئی ہے۔ بی جے پی مخالف جماعتیں نظریاتی طور پر بی جے پی کے سامنے کمزور پڑنے لگی ہیں اور کوئی واضح سیاسی نظریاتی موقف اختیار کرنے اور کوئی اسٹینڈ لینے سے ڈرنے لگی ہیں۔ اگر کوئی اسٹینڈ لیتی بھی ہیں تو دیر تک اس پر ٹکی نہیں رہتیں۔ سلمان خورشید اپنی تازہ کتاب کے اجراء سے چند روز پہلے ایک پریس کانفرنس میں ایک سوال پر سپریم کورٹ کا حوالہ دے کر ہندوتو پر مہر بھی لگاتے ہیں اور کتاب میں اس کا موازنہ داعش اور بوکوحرام سے بھی کرتے ہیں۔ سلمان خورشید جیسے قدآور لیڈر جب یہ کرتے ہیں تو کانگریس کی بیچارگی نظر آتی ہے جبکہ سماجوادی پارٹی اور بی ایس پی نے تو ہندوتو پر لب سی رکھے ہیں، اس کے برعکس بی جے پی اپنے سیاسی نظریات اور موقف میں ایماندار ہے اور کھل کر ہندوتو کے نظریہ پر نہ صرف ڈٹی ہوئی ہے بلکہ اس کی مخالفت کرنے والوں پر بھی حملہ آور ہونے میں دیر نہیں لگاتی۔ اقتدار پر قابض رہنے کے لیے ہندوتو کے ایجنڈے میں فٹ بیٹھنے والے کسی واقعہ پر واردات کو بی جے پی ہاتھ سے جانے نہیں دیتی، لگے ہاتھوں مغربی یوپی کے قصبہ کیرانہ سے ہندوؤں کی مبینہ نقل مکانی کے ایشو کو بھی بی جے پی نے اپنا انتخابی ہتھیار بنا لیا ہے۔ وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ نے ۸ر نومبر کو کیرانہ میں پی اے سی کی ۵۰ ویں بٹالین کے فائرنگ رینج کے سنگ بنیاد کے موقع پر ریلی میں کیرانہ سے ہندوؤں کی نقل مکانی اور مظفر نگر فساد کے ایشو پر سماجوادی پارٹی کو کٹھرے میں کھڑا کر چکے ہیں اور اس کو بی جے پی کے لیے اسمتا (عزتِ نفس) کا سوال بنا چکے ہیں۔ بی جے پی نے اس کو بھی ۲۰۲۲ء کے انتخابات کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اپنے ایجنڈے میں سرفہرست جگہ دی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ۱۳ر نومبر کو اعظم گڑھ میں اعظم گڑھ یونیورسٹی کے افتتاح کے موقع پر وزیر داخلہ امت شاہ تک کیرانہ کا نام لیے بغیر کہہ گئے کہ نقل مکانی کرانے والے اب خود نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔

واضح رہے کہ سہارنپور کمشنری میں شامل ضلع شاملی کے تاریخی قصبہ کیرانہ سے ہندوؤں کی نقل مکانی کا ایشو سب سے پہلے بی جے پی کے ایم پی آنجہانی حکم سنگھ نے ۲۰۱۶ء میں اُٹھایا تھا۔ اس کے پس پشت ان کا مقصد ۲۰۱۷ء کے اسمبلی انتخابات میں اپنی بیٹی کو بی جے پی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑوانا اور جیت درج کرانا تھا۔ اس کے لیے پولرائزیشن کو ضروری سمجھتے ہوئے حکم سنگھ نے اس ایشو کو اُچھالا لیکن اپنے مقصد میں حکم سنگھ کامیاب نہیں ہوئے۔ قابل ذکر ہے کہ کیرانہ مسلم اکثریتی قصبہ ہے۔ حکم سنگھ نے کیرانہ ہی نہیں پڑوسی تاریخی قصبہ کاندھلہ سے بھی ہندوؤں کی نقل مکانی کا شوشہ چھوڑا تھا۔ حکم سنگھ نے اس وقت الزام لگایا تھا کہ مسلم اکثریت کے جبر اور ظلم و زیادتی کے سبب اور خاص طور سے مسلم غنڈوں اور مافیا کے خوف سے سینکڑوں کنبے کیرانہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ کیرانہ ہی نہیں کاندھلہ سے بھی اچھی خاصی تعداد چلی گئی ہے۔ بعد میں میڈیا کے سروے اور سرکاری تحقیقات سے اس جھوٹے پروپیگنڈے کی ہوا نکل گئی تھی اور پتہ چلا کہ نقل مکانی کرنے والوں کی جو ۳۴۶ کنبوں کی لسٹ انھوں نے جاری کی تھی اس میں ۲۰ کے قریب وہ کنبے بھی شامل تھے جو کیرانہ ہی میں مقیم تھے اور چھوڑ کر گئے ہی نہیں تھے اور جو چھوڑ کر گئے تھے ان میں بڑی تعداد ان کی تھی جو کاروبار یا ملازمت کے سبب نقل مکانی پر مجبور ہوئے تھے یا ان کے نام تھے جو فوت ہو چکے تھے جس سے حکم سنگھ کے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھل گئی تھی۔ اس کے باوجود وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ اور بی جے پی کو کیرانہ کی یاد کیوں آ گئی۔ کیرانہ ہی نہیں ان کو مظفر نگر فساد بھی یاد ہے جو اکھلیش یادو کی سرکار میں ہوا تھا۔ اس بہانے انھوں نے سماجوادی پارٹی پر نشانہ سادھا اور کہا تھا کہ اس کا دکھ جن کو ہے ان کی سوچ طالبانی ہے۔ انھوں نے صاف کہا کہ کیرانہ سے نقل مکانی اور مظفر نگر کا فساد بی جے پی کے لیے سیاسی ایشو نہیں 'اسمتا' (عزتِ نفس) کا سوال ہے۔ وزیر اعلیٰ کیرانہ کے اس کنبہ کے گھر بھی گئے جو کیرانہ لوٹ آیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے ۵۰ کنبے ہیں جو کیرانہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، اب لوٹ آئے ہیں۔

یوگی نے صرف کیرانہ ہی نہیں شاہجہانپور اور بدایوں کی ریلی میں بھی کیرانہ سے نقل مکانی اور یوپی کے فسادات کا ایشو اُٹھایا، بلکہ وہ جہاں بھی ریلی کر رہے ہیں ان دونوں ایشوز پر ان کا فوکس رہتا ہے اور سماجوادی پارٹی پر ان کے جارحانہ سیاسی حملے جاری ہیں۔ وہ ان تمام ایشوز کو اُٹھا رہے ہیں جو اقتدار کی بقا کے لیے راستہ ہموار کر سکتے ہیں، اس میں سلاٹر ہاؤس پر پابندی اور سابقہ سرکاروں میں ملازمتوں میں رشوت ستانی سے لے کر مافیا کی املاک ضبط کیے جانے اور مافیا اور غنڈوں کو ٹھونک دینے کی باتیں کر رہے ہیں۔ رام مندر اور کشمیر سے متعلق کالعدم دفعہ ۳۷۰ کا ذکر کرنے کے علاوہ کسانوں اور غریبوں کے لیے کرائے گئے سرکاری فلاحی کام بھی گنوا رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ۲۰۲۲ء کا انتخاب نہ صرف ان کے سیاسی وجود کا سوال ہے بلکہ ۲۰۲۴ء میں مرکز میں بی جے پی اور مودی کی بقا بھی ضروری ہے اور یوپی کی اسّی پارلیمانی سیٹوں پر بی جے پی نے جو سبقت حاصل کی تھی اس کو برقرار رکھنا بھی اس کے لیے لازمی ہے، اسی لیے بی جے پی ہی نہیں سنگھ پریوار بھی اس مہم میں یوگی کی پشت پر کھڑا ہے اور سرکار کا دبدبہ بھی ہے۔ یوپی سمیت ملک کی پانچ ریاستوں کے انتخابات میں یوپی کے ساتھ اتراکھنڈ اسمبلی الیکشن بی جے پی کے لیے موت و زیست کا سوال ہے۔ اتنا ہی نہیں ۲۰۲۲-۲۳ء میں ملک کی سولہ ریاستوں میں بھی اسمبلیوں کے انتخابات ہونے ہیں، ان ریاستوں میں پارلیمنٹ کی ۲۴۶ سیٹیں ہیں، ان سیٹوں پر کامیابی کا انحصار بھی سولہ ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات پر ہے جو بی جے پی کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ اس لیے بی جے پی اسمبلیوں کے انتخابات کے پہلے راؤنڈ میں ہی اپنا قلعہ مضبوط کرنا چاہتی ہے خاص طور پر یوپی کے اپنے قلعہ کو بی جے پی اور یوگی کمزور نہیں ہونے دینا چاہتے جس کے لیے یوگی آدتیہ ناتھ ہر وہ سیاسی حربہ استعمال کر رہے ہیں جو بی جے پی کے اقتدار کی راہ ہموار کر سکتا ہے اسی لیے بی جے پی نے کھلے طور پر ہندوتو کی پتوار سے اپنی کشتی پار لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ دیکھنا دلچسپ ہوگا کہ غیر بی جے پی پارٹیاں بی جے پی کے ہندوتو کی دھار کو کیسے کند کرتی ہیں؟ اور بنیادی ایشوز پر بی جے پی اور اس کی سرکار کا قافیہ کیسے تنگ کرتی ہیں؟ بی جے پی عوام کی ناراضگی کے علاوہ اپنی دوسری کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود جارحانہ انداز میں میدان میں ہے، اپنے سیاسی حریفوں پر مسلسل حملے کر رہی ہے اور اپنے سیاسی حریفوں کو دفاعی پوزیشن میں کھڑا کر دیا ہے۔ بی جے پی کو کسان تحریک سے زیادہ اور سیاسی حریفوں سے کم خطرہ دِکھائی دے رہا ہے۔ سیاسی حریف

مجھے انیل دیشمکھ کی طرح فرضی معاملہ میں پھنسانے کی کوشش ہو رہی ہے: نواب ملک

مہاراشٹر کے وزیر نواب ملک نے الزام لگایا ہے کہ کچھ لوگ انہیں فرضی مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کے رہنما نے کچھ تصویریں ٹوئٹ کی ہیں جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ دو آدمی ان کے ممبئی گھر کے قریب چکر لگا رہے ہیں۔ نواب ملک، جو کہ مرکزی حکومت پر الزام لگاتے رہے ہیں کہ وہ ممبئی کے ڈرگ آن کروز کیس کو نارکوٹکس کنٹرول بیورو کے ذریعہ مہاراشٹر کو داغدار کرنے کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہے، نے اب الزام لگایا ہے کہ کچھ لوگ انہیں انیل دیشمکھ کی طرح پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے خبر رساں ایجنسی اے این آئی کو بتایا کہ ایسا لگتا ہے کہ کچھ لوگ مجھے انیل دیشمکھ کی طرح فرضی کیس میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ میں ممبئی پولیس کمشنر اور مرکزی وزیر داخلہ امت شاہ سے اس کی شکایت کر کے تحقیقات کا مطالبہ کروں گا۔ میرے پاس ٹھوس ثبوت ہیں کہ کس طرح کچھ مرکزی عہدیدار مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نواب ملک نے سوشل میڈیا پر ایک تصویر شیئر کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ گاڑی میں پچھلے کچھ دنوں سے میرے گھر اور اسکول کی ریکی کر رہے ہیں، اگر کوئی ان کو پہچانتا ہے تو مجھے بتائے۔ جو لوگ اس تصویر میں ہیں، میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ مجھ سے کوئی معلومات چاہتے ہیں تو آ کر مجھ سے ملیں، میں تمام معلومات دوں گا۔

تجزیہ

ڈاکٹر مظفر حسین غزالی

جب نفرت اقتدار کے حصول کی علامت بن جائے

بھارت میں مختلف زبانیں بولنے، رسم و رواج پر عمل کرنے اور مذاہب کو ماننے والے برسوں سے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ مسلم بادشاہوں کے دربار میں ہندو اعلیٰ و عزت دار عہدوں پر فائز تھے اور ہندو راجاؤں کے یہاں مسلمان۔ اس قت ہندو مسلمانوں کے درمیان نہ کوئی امتیاز تھا نہ نفرت، ہندو بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے اور تہوار مناتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے تہواروں میں شریک ہوتے اور مذاہب کا احترام کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء تک یہ اتحاد اور رواداری باقی تھی۔ بقول ڈاکٹر راجندر پرساد ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے انگریزوں کی فوج میں سبھی لوگ شامل تھے۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی نے ان کی آنکھیں کھول دیں، بعد میں جو ''پھوٹ ڈالو اور راج کرو' پالیسی اپنائی گئی اس کا مقصد اسی اتحاد کو ختم کرنا تھا۔ انگریزوں نے ہندو مسلمانوں کے درمیان ریل کی پٹریوں کی طرح فاصلہ بنا کر رکھا، جو ساتھ تو رہتی ہے لیکن ملتی نہیں، اسی بانٹو اور راج کرو کی پالیسی پر عمل کر کے انھوں نے بھارتیوں کو غلام بنا کر رکھا اور برسوں تک اس پر اپنے اقتدار کی گاڑی دوڑاتے رہے۔

بھارت کے لوگوں نے اس پالیسی کو سمجھا اور ہندو مسلمان دونوں نے مل کر آزادی کی لڑائی کندھے سے کندھا ملا کر لڑی۔ اس وقت کچھ لوگ انگریزوں کے حامی تھے۔ وہ آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے راستے میں رکاوٹ بنتے اور انتظامیہ کو ان کی سرگرمیوں سے واقف کراتے تھے۔ انگریزوں کے یہ دوست نہیں چاہتے تھے کہ وہ ملک چھوڑ کر جائیں، لیکن اکثریت غلامی کے خلاف متحد تھی اس لیے انگریز جیسے طاقتور حاکم کو بھارت چھوڑ کر جانا پڑا، مگر آزادی کے بعد ہمارے حکمرانوں نے ہندو مسلم کے درمیان تفریق اور نفرت کی موٹی لکیر کو مٹنے نہیں دیا۔ انھوں نے سماج کو بانٹنے اور نفرت پھیلانے والوں کو بھی کبھی نہیں روکا بلکہ ان کی سرگرمیوں کو جاری رہنے دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ۱۸۶۰ء کے پولیس ایکٹ کو بھی نہیں بدلا جبکہ برطانوی پولیس کے مظالم کو وہ خود بھگت چکے تھے۔ یہ پولیس انگریز حکومت کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبانے کا کام کرتی تھی۔ اب یہ پولیس لا اینڈ آرڈر کو درست رکھنے کے بجائے حکمران جماعت کے لیے فنڈ جٹانے، اس کے مخالفین کو ٹھکانے لگانے اور اس کی سیاست سادھنے کے لیے کام کرتی ہے۔

سابق ڈائریکٹر جنرل آف پولیس وبھوتی نارائن رائے کا کہنا ہے کہ آزاد بھارت میں پولیس اصلاحات کی ضرورت ہے مگر حکمرانوں نے اچھے ہتھیار، تیز رفتار گاڑیاں، وردی اور اچھی تنخواہ دینے کو ہی پولیس کی اصلاح سمجھ لیا حالانکہ پولیس کا مزاج اور کام کرنے کے طریقے کو بدلنا چاہیے تھا۔ حکمراں پولیس کو اپنے مفادات سادھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے پولیس پر بار بار داغ لگتا ہے اور سماج میں اس کی شبیہ منفی بنی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو پولیس اہلکار برسراقتدار جماعت کے مفادات اور مزاج کے مطابق کام کرتا ہے اسے سپاہی سے انسپکٹر بننے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ یہی وجہ ہے کہ اقتدار بدلنے کے ساتھ پولیس کی وفاداری بدل جاتی ہے۔ پولیس کی زیادتی، فسادیوں کو روکنے میں ناکامی اور حراست میں موت کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ جو کام سیاست داں سیدھے طور پر نہیں کر پاتے وہ پولیس کے ذریعے کرایا جاتا ہے۔ نفرت اور طبقاتی تفریق کو بنائے رکھنے میں بھی پولیس معاون ثابت ہوتی ہے۔ سیاست داں جانتے ہیں کہ جب تک سماج ٹکڑے ٹکڑے میں نہیں بٹے گا تب تک ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اپنے مفاد کے لیے کبھی ہندو مسلمان، کبھی اگڑی پچھڑی، کبھی برہمن راجپوت اور یادو کے نام پر سماج کو بانٹ کر اقتدار حاصل کرنا اپنی پالیسی بنا چکے ہیں۔ اس لیے جو جتنا سماج کو بانٹ سکتا ہے وہ اتنی ہی جلدی اقتدار کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔

ملک میں مذہب، ذات، طبقات اور امتیازات پہلے بھی موجود تھے مگر سماج اتنی بری طرح بٹا ہوا نہیں تھا۔ لوگوں کی آنکھوں میں شرم اور بزرگوں کی عزت تھی۔ منڈل کے مقابلے کمنڈل سماج نے تبدیلی کی ابتدا کی لیکن رام جنم بھومی بابری مسجد تنازعہ اور رتھ یاترا نے آنکھوں کی شرم اور بزرگوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔

سماجی نفرت اور تفریق پچھلے چند سالوں میں اپنے عروج پر آ گئی جس میں سیاستدانوں کی شمولیت صاف دِکھائی دیتی ہے۔ اب کوئی بھی الیکشن ایسا نہیں گزرتا جس میں مسلمان، قبرستان، لو جہاد، جناح اور پاکستان کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ طرہ یہ کہ کسی نہ کسی بہانے انتخاب سے پہلے پھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بیس فیصد مسلمانوں سے اسّی فیصد غیر مسلموں کو ڈرایا جاتا ہے جبکہ تمام اعلیٰ عہدوں پر غیر مسلم فائز ہیں۔ ملک کی معیشت ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہے۔ فوج کے تمام اعلیٰ افسران غیر مسلم ہیں۔ وزیر اعظم، وزیر داخلہ، وزیر دفاع، چیف جسٹس اور صدر جمہوریہ تک غیر مسلم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جنھیں مسلمانوں سے ڈرایا جاتا ہے وہ اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ انھیں ڈرانے والوں کی نیت میں کھوٹ ہے۔ دراصل وہ مسلمانوں سے ڈرا کر ان کا ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کی کارگزاری پر سوال کرے۔ جواب دہی سے بچنے کے لیے نفرت اور فرقہ واریت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ صورتحال اس وقت زیادہ سنگین ہو جاتی ہے جب نفرت اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ گزشتہ کئی سال اس کے گواہ ہیں کہ جس نے فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے اور سماج کو توڑنے کا کام کیا اسے سزا کے بجائے ترقی ملی، وزارت ملی۔ اس کے بعد تو جیسے یہ فیشن بن گیا کہ اگر بی جے پی کا ٹکٹ یا پارٹی میں کوئی مقام چاہیے تو کسی کمزور مسلمان کو پیٹو یا گئو تسکری اور چوری کا الزام لگا کر قتل کر دو۔ اس کا ویڈیو بنا کر وائرل کرو اور مشہور ہو جاؤ۔ مسلمانوں کو مارنے کاٹنے کے نعرے لگاؤ اور میڈیا میں چھا جاؤ۔ برسراقتدار جماعت کے افراد وی ایچ پی، بجرنگ دل، اے بی وی پی وغیرہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے والوں کی حمایت میں آ جاتے ہیں۔ دوسری طرف ملک کے کچھ حق پرست مظلوموں کو انصاف دلانے کی مانگ کرتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف میڈیا کو مسالہ مل جاتا ہے اور دوسری طرف لوگوں کی توجہ بھکمری، بے روزگاری، صحت، تعلیم، مہنگائی اور کسانوں کے مسائل سے ہٹ جاتی ہے۔ پھر بڑی ہوشیاری سے برسراقتدار جماعت ان نفرتی و سماج کو توڑنے والے نعروں اور واقعات کو الیکشن میں بھنانے کی کوشش کرتی ہے۔

تریپورہ کا واقعہ اس کی تازہ مثال ہے جہاں مساجد میں آگ لگائی گئی۔ گھروں اور دکانوں کو لوٹا اور جلایا گیا لیکن مقدمات مسلمانوں کے خلاف قائم کیے گئے۔ وہاں ۳۳۴ سیٹوں کے لیے ۲۵ر نومبر کو لوکل باڈیز کے انتخاب ہونے تھے، بی جے پی نے انتخاب سے پہلے ہی ۱۱۲ سیٹوں پر کامیابی حاصل کر لی جبکہ مارکسوادی کمیونسٹ پارٹی کے ریاستی سیکریٹری جتیندر چودھری نے الزام لگایا کہ ان کے امیدواروں کو بی جے پی کے باہر سے آئے غنڈوں نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لینے پر مجبور کیا ہے۔ اب اپوزیشن پارٹیاں جو بھی الزام لگائیں تریپورہ تشدد کا فائدہ بی ج پی کو کیسے (باقی صفحہ ۱۴ پر)

کھیل کی دنیا

ٹی-۲۰ عالمی کپ کب کس نے جیتا (۱)

کرکٹ وہ واحد کھیل ہے جس میں ہر کچھ عرصے بعد نہ صرف تبدیلی آتی رہتی ہے بلکہ نئے نئے قوانین بھی لاگو ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے پہلے صرف ٹیسٹ کرکٹ کھیلی جاتی تھی۔ پھر ایک روزہ کرکٹ کا رواج قائم ہوا اور جب یہ محسوس ہوا کہ مصروفیت کے سبب پانچ دن یا پورے دن کا کھیل لوگوں کے لیے دیکھنا مشکل ہوتا جارہا ہے تو ٹی-۲۰ کرکٹ کا آغاز ہوا۔ اس طرز کا پورا کھیل محض ساڑھے تین گھنٹے میں مکمل ہوجاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ فارمیٹ کھیلنے والوں کے ساتھ ساتھ دیکھنے والوں کو بھی پرجوش رکھتا ہے۔ اپنی اس خاصیت کے سبب اس فارمیٹ نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ فائنل سے پہلے ماضی میں کھیلے گئے ورلڈکپ کے فائنلوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ ماضی کی کچھ یادیں ایک بار پھر تازہ ہوجائیں۔

آئی سی سی ٹی-۲۰ ورلڈ کپ ۲۰۲۱ء کا آغاز ۲۴؍اکتوبر سے ہوا اور ۱۴؍نومبر کو نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کی ٹیمیں ٹی-۲۰ ورلڈ کپ کی ٹرافی کے لیے دبئی کے کرکٹ اسٹیڈیم میں آمنے سامنے ہوئیں جس میں آسٹریلیا نے جوش ہیزل وڈ کی عمدہ بالنگ کی بدولت نیوزی لینڈ کو سات گیند قبل ہی آٹھ وکٹوں سے شکست دے کر ٹی-۲۰ کرکٹ کا نیا چمپئن بننے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

۲۰۰۷ء میں کھیلے جانے والے پہلے ٹی-۲۰ فائنل پر پوری دنیا کی نظریں تھیں۔ اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ یہ کہ اس طرز کا پہلا ورلڈ کپ فائنل تھا اور دوسری وجہ یہ کہ ہندستان اور پاکستان کے درمیان کھیلا گیا تھا۔ فائنل جوانسبرگ میں کھیلا گیا تھا۔ ہندستان نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ یہ میچ پہلی بال سے ہی دلچسپ رہا، محمد آصف سے کرائی گئی بال پر یوسف پٹھان رن آؤٹ ہوتے ہوتے رہ گئے۔ انگ کے اختتام پر ہندستان نے پانچ وکٹوں کے نقصان پر ۱۵۷ رن بنائے۔ ٹیم انڈیا کی جانب سے گوتم گمبھیر نے سب سے زیادہ ۷۵ رن بنائے تھے جبکہ پاکستان کی جانب سے عمر گل نے سب سے زیادہ تین وکٹیں حاصل کی تھیں۔ ہدف کا تعاقب کرنے اتری پاکستان کی انگ ابتدا سے ہی مشکلات کا شکار رہی اور پہلے ہی اوور میں محمد حفیظ آر پی سنگھ کی بال پر کیچ آؤٹ ہوگئے۔ میچ چلتا رہا اور وکٹیں گرتی رہیں۔ ۱۵۸ رنز کے تعاقب میں محض ۷۷ رن پر پاکستانی ٹیم کے چھ کھلاڑی پویلین لوٹ گئے تھے اور اب ہندستان کی جیت بہت آسان دِکھائی دے رہی تھی لیکن اس موقع پر مصباح الحق نے ہمت نہ ہارنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے مسلسل کوششوں کے نتیجے میں میچ کو آخری دور تک پہنچادیا جہاں پاکستان کو جیتنے کے لیے تیرہ رنوں کی ضرورت تھی لیکن پاکستانی ٹیم کے پاس بس ایک ہی وکٹ باقی رہ گئی تھی۔ جب پاکستان کو جیت کے لیے چار بال پر محض چھ رن درکار تھے تو اسی موقع پر مصباح ایک غلط شاٹ کھیلتے ہوئے آؤٹ ہوگئے اور یوں پاکسان ٹی-۲۰ کرکٹ کے بادشاہ کا تاج اپنے سر نہ سجا سکا اور ہندستان ٹی-۲۰ کرکٹ کا چمپئن بن گیا۔ بہرحال محض سولہ رن دے کر تین وکٹیں لینے کی وجہ سے عرفان پٹھان کو میچ کا بہترین کھلاڑی قرار دیا گیا۔

۲۰۰۹ء یعنی دو سال بعد لارڈز کے تاریخی

> **چوتھی بال پر پھر آفریدی اور ملنگا آمنے سامنے تھے اور پاکستان کو جیت کیلئے ایک رن درکار تھا۔ ملنگا نے ایک بال کروائی جو آفریدی کے پیڈ سے لگ کر آف سائیڈ پر چلی گئی۔ یہ لیگ ہائی تھی لیکن آفریدی کو کیا پروا تھی، انھوں نے ہیلمٹ اور بیٹ فضا میں بلند کرکے اپنے مخصوص انداز میں جیت کا اعلان کردیا تھا۔**

میدان میں ایک بار پھر ٹی-۲۰ ورلڈ کپ فائنل کا اسٹیج سجا۔ اس فائنل میں ایک بار پھر پاکستانی ٹیم پہنچی اور مقابلہ سری لنکا کی ٹیم سے تھا جو پورے ٹورنامنٹ میں ناقابل شکست چلی آرہی تھی۔ سری لنکا کے کپتان کمار سنگا کارا نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کی جانب سے بالنگ کا آغاز نوجوان فاسٹ بالر محمد عامر نے کیا اور پہلے اوور کی پانچویں بال پر ہی مخالف ٹیم کے اہم کھلاڑی تلک رتنے دلشان کو آؤٹ کردیا۔ دوسرے اوور میں عبدالرزاق نے جہاں مبارک کو پویلین کی راہ دِکھائی اور چوتھے اوور میں ایک اور اہم کھلاڑی سنت جے سوریا کو بھی آؤٹ کردیا۔ سری لنکا کے کپتان کمار سنگا کارا ایک جانب سے محاذ سنبھالے رہے اور دوسری جانب وکٹیں گرتی رہیں۔ صرف انجیلو میتھیوس ہی ان کا کچھ ساتھ دے سکے۔ اس پوری انگ میں پاکستانی باؤلرز کی زبردست کارکردگی کی وجہ سے سری لنکا کا رن ریٹ سات رن سے اوپر نہیں جاسکا اور یوں سری لنکا کی ٹیم بیس اوورز میں ۱۳۸ رن ہی بنا سکی۔ جواب میں پاکستان نے بہت محتاط انداز میں آغاز کیا اور رن ریٹ کو درکار رن ریٹ کے قریب ہی برقرار رکھا۔ پاکستان کی پہلی وکٹ آٹھویں اور میں گری جب کامران اکمل جے سوریا کی بال پر اسٹمپ آؤٹ ہوئے تاہم شائقین کے لیے تو میچ اب شروع ہوا تھا کیونکہ کامران اکمل کی جگہ لینے شاہد آفریدی کریز پر آچکے تھے۔ میچ کے دسویں اوور میں پاکستان کی دوسری وکٹ گری۔ اب آفریدی کا ساتھ دینے کے لیے شعیب ملک کریز پر آئے۔ ان دونوں تجربہ کار کھلاڑیوں نے میچ کے زیادہ تر حصے میں سنگل اور ڈبل رنز پر ہی انحصار کیا تاہم رن ریٹ برقرار رکھنے کے لیے آفریدی نے ۱۴ویں اوور میں مرلی دھرن کی گیند پر ایک چھکا اور چوکا جڑ دیا۔ ۱۸ویں اوور کے آغاز پر پاکستان کو جیت کے لیے ۲۸ رنوں کی ضرورت تھی اس سے پہلے کہ صورتحال خراب ہوتی، آفریدی نے اسی اوور کی پانچویں بال پر ایک چھکا اور چھٹی بال پر ایک چوکا جڑ دیا۔ اگلے اوور کے آغاز پر پاکستان کو سات رنوں کی ضرورت تھی۔ یہ اوور ملنگا کے حصے میں آیا اور ان کا سامنا کرنے کے لیے آفریدی موجود تھے۔ اسٹیڈیم میں موجود تماشائی اتنے پرجوش تھے کہ کسی کو آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اوور کی پہلی بال پر ایک رن بنا، اگلی بال پر شعیب ملک نے چوکا لگایا اور اس کے بعد والی بال پر ایک رن بنا کر اسکور برابر کردیا۔ چوتھی بال پر پھر آفریدی اور ملنگا آمنے سامنے تھے اور پاکستان کو جیت کے لیے ایک رن درکار تھا۔ ملنگا نے ایک بال کروائی جو آفریدی کے پیڈ سے لگ کر آف سائیڈ پر چلی گئی۔ یہ لیگ ہائی تھی لیکن آفریدی کو کیا پروا تھی، انھوں نے ہیلمٹ اور بیٹ فضا میں بلند کرکے اپنے مخصوص انداز میں جیت کا اعلان کردیا تھا۔ یوں اس بار کپتان یونس خان کی قیادت میں ٹی-۲۰ کرکٹ کے بادشاہ کا تاج پاکستان کے سر سج گیا تھا۔ شاہد آفریدی کو ان کی آل راؤنڈ کارکردگی کی وجہ سے میچ کا بہترین کھلاڑی قرار دیا گیا۔ انھوں نے بیس رن دے کر ایک وکٹ حاصل کی اور چالیس گیندوں پر اہم ۵۴ رن بھی بنائے تھے۔ ❑❑

طب وصحت

سوزش - ایک خطرناک جسمانی بیماری

اگر آپ اندرون یا بیرون جسم کسی بھی طرح کی سوزش کا شکار ہیں تو اپنی روزمرہ کی غذا میں درج ذیل غذاؤں کو شامل کرلیں، یہ آپ کی قوتِ مدافعت کو بڑھا کر آپ کو صحت مند بنا سکتی ہیں۔ اگرچہ جسم کو انفیکشن سے لڑنے میں مدد کے لیے سوزش کو ضروری سمجھا جاتا ہے، مگر جب یہ دائمی شکل اختیار کرلیتی ہے تو پھر اس سے نقصان بھی ہونے لگتا ہے۔ مثلاً گٹھیا، ذہنی تناؤ اور دیگر امراض سوزش کو دائمی بنا دیتے ہیں۔ ڈپریشن کی دوائیں عمومی طور پر محفوظ سمجھی جاتی ہیں لیکن ان کے منفی اثرات بہرحال ہوتے ہیں۔ اس لیے پروفیسر ڈاکٹر کارمین پیرپینٹی کا کہنا ہے کہ اگر ضروری نہیں تو ان دواؤں کو مریض سے دور ہی رکھنا چاہیے۔ اگر واقعی ضرورت ہو تو پھر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ جسمانی (اندرونی یا بیرونی) سوزش، ذہنی تناؤ کا نتیجہ ہوتی ہے اور سوزش کی کیفیت میں ڈپریشن کا علاج ممکن نہیں رہتا۔ جسمانی سوزش اصل میں اس حیاتیاتی عمل میں مداخلت کرتی ہے جو ڈپریشن کا علاج ممکن نہیں رہتا۔ جسمانی سوزش اصل میں اس حیاتیاتی عمل میں مداخلت کرتی ہے جو ڈپریشن کی ادویات کے اثر کے لیے ضروری ہوجاتا ہے۔ اب تو امریکی ماہرین بھی مغزیات کو جسمانی سوزش ختم کرنے میں معاون قرار دے رہے ہیں۔ بوسٹن یونیورسٹی کے طبّی ماہرین کے مطابق مغزیات میں چکنائی کم مقدار میں ہوتی ہے جو دل کی صحت اور ذیابیطس کے لیے مفید بن جاتی ہے، اس سے جسمانی سوزش کا بھی خاتمہ ہوتا ہے تاہم ماہرین کے مطابق ہفتہ میں پانچ بار مغزیات کھانا فائدہ مند ہوتا ہے۔ میڈیکل سائنس میں ترقی کے باعث اب دائمی سوزش کو کم کرنے کے لیے ادویات بھی موجود ہیں مگر اس کے باوجود اس خیال کو ہمیشہ اچھا تصور کیا جاتا ہے کہ اگر خوراک سوزش کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہو تو وہ زیادہ مجرب ہوتی ہے۔ اپنے جسم کو کسی بھی اضافی سوزش سے چھٹکارا پانے کے لیے آپ جب خوراک پر توجہ دیتے ہیں تو ادویات میں شامل کیمیکل کے مضر اثرات سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ ذیل میں ان غذاؤں کی فہرست دی جارہی ہے جو جسم میں سوجن کو کم کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

چربی والی مچھلی: روزمرہ زندگی میں جب بھی گوشت کی بات ہوتی تو مچھلی کا ذکر لازمی ہوتا ہے۔ گوشت کی تمام اقسام میں مچھلی ایک صحتمند آپشن ہے۔ فیٹی یعنی چربی والی مچھلی پروٹین کا ایک شاندار اور مزیدار ذریعہ ہے اور یہ اومیگا تھری فیٹی ایسڈ (EPA) اور (DHA) سے بھرپور ہوتی ہے۔ جسم میں فیٹی ایسڈز اور دیگر اجزاء سوزش کوڑ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں سوزش سے لڑنے میں جسم کو مدد ملتی ہے۔ سوزش سے نجات کے لیے مچھلی کو غذا کا حصہ ضرور بنانا چاہیے۔

بروکولی: یہ گوبھی کی ہی ایک قسم ہوتی ہے، جو سلاد کے طور پر کھائی جاسکتی ہے۔ اگرچہ آج کل کے پاپ کلچر نے اس طرح کی غذائیت سے بھرپور سبزیوں سے نفرت دلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے مگر حقیقت میں یہ کافی مزیدار سبزی ہے اور یہ بھی جسم میں سوزش سے لڑنے میں مددگار ہوتی ہے۔ تحقیق کے مطابق بروکولی جیسی بہت سی سبزیاں کھانے سے دل کی بیماریوں کے ساتھ ساتھ کینسر کا خطرہ بھی کم ہوجاتا ہے۔ یہ اینٹی آکسیڈنٹس ہے جو جسم سے زہریلے مادّوں کو خارج کردیتی ہے۔

دائمی سوزش کیا ہوتی ہے؟

طب کی دنیا میں دائمی سوزش کو جسم کی طویل المیعاد پیچیدگی یا چوٹ یا بیماری سے دفاع کے لیے ایک رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ اس عمل (باقی صـ۱۴ پر)

ادبیات

اتحادِ باہمی کے گیت گانا چاہیے

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوریؒ

خندہ پیشانی سے اِک اِک دُکھ اُٹھانا چاہیے
رنج وغم کی آندھیوں میں مسکرانا چاہیے

قومی یکجہتی کا اب بیڑا اُٹھانا چاہیے
سارے انسانوں کو آپس میں ملانا چاہیے

جذبۂ نفرت ہر اِک دل سے مٹانا چاہیے
اتحادِ باہمی کے گیت گانا چاہیے

گلشنِ انسانیت سیراب کرنے کے لیے
اپنے خونِ دل کا ہر قطرہ بہانا چاہیے

فیصلہ منظور کرنا چاہیے انصاف کا
خودغرض لوگوں کی باتوں میں نہ آنا چاہیے

ہوں سبھی حق وصداقت کے لیے سینہ سپر
قوتِ باطل کو خاطر میں نہ لانا چاہیے

درس انسانی اخوت کا جہاں میں عام ہو
ہر جگہ ماحول اب ایسا بنانا چاہیے

قوتِ کردار سے ہوتی ہے تعمیرِ وطن
اپنے ہر اہلِ وطن کو یہ بتانا چاہیے

جن کا مقصد ہے وطن کمزور ہو برباد ہو
ان کو جھگڑوں کے لیے کوئی بہانا چاہیے

ترکِ الفت کر نہ بیٹھیں تنگ آ کر ہم کہیں
اس قدر بھی اب نہ یوں ہم کو ستانا چاہیے

ہوچکے ناکام ظلم و جبر و ناانصافیاں
نسخۂ انصاف بھی اب آزمانا چاہیے

جل نہ جائے گاندھی و آزاد و نہرو کا چمن
آتشِ فرقہ پرستی کو بجھانا چاہیے

طنزیہ الفاظ سے چھلنی نہ ہوں قلب وجگر
گفتگو ہر شخص کی اب مشفقانہ چاہیے

بھول جانا چاہیے حق تلفیوں کے دور کو
اپنا حق لینے کو اب میداں میں آنا چاہیے

آپ کی باتیں تو اچھی ہیں بہت حافظؔ مگر
جو کہا ہے منہ سے وہ، کرکے دِکھانا چاہیے

مری تلاشِ سکوں کا سفر تپیدہ تھا

ڈاکٹر حنیف ترین سنبھلی

یہی نہیں ہے کہ مدت سے غم چشیدہ تھا
مسرتوں سے بھی دامانِ دل دریدہ تھا

ہوا کے لب پہ یہ کس رنگ کا قصیدہ تھا
کہ چاند صبح تلک شب کو آبدیدہ تھا

دم غروب جو گدلائی شام کی چادر
نچوڑ لایا میں منظر جو چیدہ چیدہ تھا

جو چاند اُترا تھا شب کے شجر سے میرے لیے
بدن کی شاخ بتا کیا سحر گزیدہ تھا

سکوں کی دھوپ نہ نکلی جو اس کی چاہت سے
مری تلاشِ سکوں کا سفر تپیدہ تھا

نظر کے پھول تھے نقش و نگار کے منظر
کہ دھول رنگ سے لپٹا ہوا جریدہ تھا

حنیفؔ مجھ کو وہی خواب ڈس گیا آخر
تمام عمر کی فکروں کا جو کشیدہ تھا

ہر طرف اپنی ہی تصویر دِکھاتا ہے مجھے

اعجاز عکسری

واہمہ کیسے کرشمات دِکھاتا ہے مجھے
دامن دشت بھی دریا نظر آتا ہے مجھے

میں اُبھرنے کو ہوں بے تاب مگر خوفِ نمو
اپنے ہی ذات کے زنداں میں سلاتا ہے مجھے

میں ہوں ادراک ہوس دید مگر مصحف دل
ہر طرف اپنی ہی تصویر دِکھاتا ہے مجھے

آہ کی طرح جو رکھتا ہے مجھے خود سے جدا
خوف کی طرف وہ آنکھوں میں چھپاتا ہے مجھے

گو فرد مایہ ہوں لیکن مرا طوفان ہوس
صورت گرد ترے ساتھ اڑاتا ہے مجھے

میں بکھرتا ہوں تو سانچوں میں سمٹنے کے لیے
جوش تعمیر کہاں چھوڑ کے جاتا ہے مجھے

میں کہ اِک جنس گراں مایۂ تنہائی ہوں
اور وہ ہے کہ شب و روز لٹاتا ہے مجھے

بات کرتا ہوں تو لفظوں کی رگیں دِکھتی ہیں
اور چپ ہوں تو میرا نطق ستاتا ہے مجھے

میں وہ موتی ہوں کہ پلکوں پہ چمکتا ہوں فقط
میں وہ ذرّہ ہوں کہ طوفان اُٹھاتا ہے مجھے

واقعہ یہ ہے کہ ہوں تیری مدح میں مصروف
ورنہ انداز ہجو کار بھی آتا ہے مجھے

اُڑا جو ذرّۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

اکبر الٰہ آبادی

ہنر سے بھی فوائد ہم کو حاصل ہو نہیں سکتے
سبب یہ ہے کہ ہم آپس میں ایک دل ہو نہیں سکتے

حکومت ایشیا پر قسمتِ مغرب میں ہے جب تک
کمالات اسکے جو ہیں ہم کو حاصل ہو نہیں سکتے

……………

عمل ان سے ہوا رخصت، عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ ان کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوائے اکبرؔ
اُڑا جو ذرّۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

میں اقتدار نہیں صرف خدمت کرتے رہنا چاہتا ہوں: وزیر اعظم مودی

وزیر اعظم نریندر مودی نے کہا کہ وہ اقتدار میں نہیں رہنا چاہتے بلکہ عوام کی صرف خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر اعظم مودی نے اپنے ماہانہ ریڈیو پروگرام 'من کی بات میں' آج آیوشمان بھارت اسکیم سے فائدہ اٹھانے والوں سے بات کرتے ہوئے، اس کے فوائد کے بارے میں پوچھا۔ فائدہ اٹھانے والوں نے کہا کہ مجھے بہت فائدہ ہوا، میں ہمیشہ آپ کو اقتدار میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس پر وزیر اعظم مودی نے کہا کہ آپ مجھے اقتدار میں رہنے کے لیے دعائیں مت دیجئے، میں آج بھی اقتدار میں نہیں ہوں اور مستقبل میں بھی اقتدار میں نہیں آنا چاہتا۔ میں صرف خدمت کرتے رہنا چاہتا ہوں، میرے لیے یہ عہدہ، یہ وزیر اعظم، یہ سب چیزیں اقتدار کے لیے نہیں صرف خدمت کے لیے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے اردگرد کے لوگوں سے آیوشمان بھارت کا کارڈ بنوانے کو کہیں تا کہ گھر والوں کو پتہ نہ چلے کہ مصیبت کب آئے گی اور اگر آج غریب دوا کی وجہ سے پریشان ہے تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔

بقیہ— صحافت میں بھی ہے کیریئر

اپنی جگہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات کسی اخبار یا میگزین میں شیئر کرے۔ کالم کی بنیادی توجہ مصنف کی شخصیت ہے۔ وہ کیا پسند کرتے ہیں، وہ کیا کرتے ہیں اور وہ کیا لکھتے ہیں، بنیادی طور پر مشہور مصنّفین کی مثالیں جو کالم نگار تھے/ ہیں ان میں چارلس بوکوسکی، اسٹیفن کنگ اور میچ البوم شامل ہیں۔ بہت سے مصنف بالآخر دوسرے فارمیٹس کی طرف بڑھتے ہیں جبکہ دوسرے اپنی موجودگی اور شہرت کو محفوظ رکھنے کے لیے کالم لکھتے ہیں۔ ایک کالم بعض اوقات وفادار قارئین کی تعمیر کے لیے سڑک پر پہلا پڑاؤ ہوتا ہے۔

(۴) فیچر رائٹنگ: فیچر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود صحافت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اردو صحافت میں فیچر کا لفظ انگلش سے آیا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مقبول سے مقبول تر ہوتا چلا گیا۔ اب کوئی اہم اخبار فیچر سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں روزانہ کی خبریں، حالات حاضرہ اور قارئین کی اکثریت کے دلچسپی کے موضوعات زیر بحث ہیں۔ اس کا مقصد تفریح، آگاہی اور معلومات کو عوامی مفید انداز میں پیش کرتا ہے۔

ترسیل کے ذرائع پر مبنی صحافت کی اقسام

خبر کی ترسیل کے ذرائع کی بنیاد پر صحافت کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) ٹی وی اور ریڈیو جرنلزم (۲) براڈ کاسٹ جرنلزم، پرنٹ جرنلزم اور (۳) آن لائن جرنلزم۔

سائبر/ آن لائن ڈیجیٹل صحافت

سائبر صحافت یا آن لائن صحافت یا ڈیجیٹل صحافت جدید ترین قسم کی صحافت ہے۔ جیسا کہ نام سے پتہ چلتا ہے، یہ مختلف انٹرنیٹ پلیٹ فارمز پر فراہمی سے متعلق ہے۔ ورلڈ وائڈ ویب (www) اور انٹرنیٹ کے متعارف ہونے کے بعد پوری دنیا ایک ورچوئل گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ آسانی سے قابل رسائی پلیٹ فارم کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ، سائبر یا آن لائن صحافت کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ یوٹیوب پر صحافت کے لیے وقف کئی چینلز کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مختلف ٹی وی اور پرنٹ میڈیا ہاؤسز نے بلاگز، ویب سائٹس، یوٹیوب اور مختلف سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے ڈیجیٹل بھیجنا شروع کردیا ہے۔

پرنٹ صحافت

اس قسم کی صحافت اخبارات، میگزین وغیرہ کے ذریعے خبروں کی فراہمی سے متعلق ہے۔ چونکہ یہ ذرائع خبروں یا معلومات کو اسی طرح رکھ سکتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں دونوں پرنٹ کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے میڈیا کے لیے بھی کام کرسکتا ہے۔ مواد کے زیادہ اخراجات، سبسکرپشن کی کم تعداد اور آسانی سے قابل رسائی میڈیا پلیٹ فارمز میں اضافے نے پرنٹ صحافت پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ ◻◻

بقیہ— ٹی-۲۰ عالمی کپ....

میں جسم کے مدافعتی نظام کے خلیات ایک طرح سے عمل اور اس کے جواب میں ردّعمل میں حصہ لیتے ہی۔

طویل مدتی سوزش: دائمی سوزش طویل عرصے تک جاری رہ سکتی ہے جو سوزش کی وجہ سے جسم سے خارج نہیں کی جاسکتی ہے یا جب مدافعتی نظام کے خلیات غیر معمولی طریقے سے اس کے ساتھ جوابی برتاؤ شروع کردیں تو بیماریوں کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔ اگر علاج نہ کیا جائے تو یہ جسمانی ردّعمل جسمانی ٹشوز کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور بعض صورتوں میں کینسر کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

دائمی سوزش: دائمی سوزش، سوزش کی ہی ایک وضاحتی اصطلاح کا نام ہے اور اس کی بذاتِ خود یا الگ سے کوئی تشخیص نہیں کی جاسکتی۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک مستقل (دائمی) سوزش کا پیچیدہ مجموعہ ہے جو بہت خطرناک ہوتا ہے تاہم سوجن ہمیشہ کسی بیماری کا باعث نہیں ہوتی بلکہ یہ صحت مند افراد کو بھی ہوسکتی ہے۔ ◻◻

بقیہ: —— تجزیہ

ملا، یہ اب سب کے سامنے ہے۔ پھر بھی اگر کوئی اس پر سوال اُٹھاتا ہے تو وہ بی جے پی کی نظر میں ملک کا دشمن ہوگا۔ واضح رہے کہ ۲۵ سال تک یہاں لیفٹ پارٹیوں کا اقتدار رہا ہے۔ مارکس وادی کمیونسٹ پارٹی کے ایم ایل اے نے کہا کہ یہاں ہندو مسلمانوں کے درمیان کبھی کوئی کشیدگی نہیں ہوئی۔ تریپورہ کے شاہی خاندان کے سربراہ پریادت کشور دیپ برما نے کہا ہے کہ ریاست میں ہندو مسلم تقسیم ایک حالیہ واقعہ ہے جو مذہبی پولرائزیشن کے ذریعے سیاسی فائدے کے لیے کیا جارہا ہے۔ اگر عوام نے اس طرف دھیان نہیں دیا اور نفرت کو اقتدار حاصل کرنے کی علامت بننے سے نہیں روکا تو پانچ ریاستوں میں ہونے والے انتخابات کے دوران کچھ اور ناپسندیدہ واقعات سامنے آسکتے ہیں۔ ◻◻

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست
طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

بقیہ— وطنی و تہذیبی تناظر میں....

مستقبل کیا ہے؟ (۱۴) کیا ملک کی اکثریت مسلمانوں سے متنفر ہے؟ (۱۵) خاموش اکثریت کو ہم کس طرح اپنا ہمدرد بنا سکتے ہیں؟ (۱۶) مسلمانوں کے سلسلے میں بڑھتی منافرت کا سدباب کیسے ہو؟ (۱۷) کیا جیسے کو تیسا والا رویہ درست ہے؟ (۱۸) مسلم پولیٹیکل سربرآوردہ افراد کا طرزِ عمل اور اس کے نقصانات؟

ان سوالات میں جوابات پانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر منظور عالم بھارت کے آئین کی تمہید کے بنیادی نکات پر توجہ مبذول کراتے ہوئے مسلسل سوال سے جواب اور جواب سے سوال تک رسائی پر زور دے رہے ہیں۔ انھوں نے زبانی اور تحریری شکل میں ملک میں مذکورہ زیر بحث مسائل پر اپنے موقف کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مختلف موضوعات پر اپنے اشاعتی ادارے سے کئی صد کتابوں سمیت (۱) ہندوتوا: اہداف و مسائل (۲) ساورکر: فکر و تحریک (۳) ہندوتوا اور راشٹر واد (۴) سنگھ بانی ڈاکٹر ہیڈ گیوار: حیات و تحریک کو اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کر کے ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی ضرورت اور ملک کے آئین کے تحفظ کے تناظر میں فرقہ وارانہ خطوط پر جاری سرگرمیوں کے مضمرات و خطرات سے آگاہی اور کرنے کے ضروری کاموں کی طرف بھی متوجہ کرنے کا کام کیا ہے۔

اس کے ساتھ جماعت اسلامی ہند کے امیر سید سعادت اللہ حسینی نے ہندوتو کی فکری اساسیات کی نشاندہی اور ان کی پائیداری اور انسانی مقاصد کی تکمیل کے تناظر میں قابل توجہ تبصرے کرتے ہوئے کچھ بنیادی سوالات بھی اُٹھائے ہیں۔ انھوں نے بی جے پی کی پیش رفت کے پس منظر میں دیگر پارٹیوں، کانگریس، کمیونسٹ، دلت، سماجوادی، سوشلسٹ پارٹیوں کی پسپائی کے اسباب کا حوالہ دیتے ہوئے ملّی تنظیموں اور پارٹیوں کے پیچھے رہ جانے کی وجوہ کو بھی زیر بحث لانے کا کام کیا ہے۔ بھارت کے آئین کے تمہیدی نکات اور شہریوں کے بنیادی حقوق و اختیارات کے تحفظ کے تناظر میں جب تک وسیع اجتماعی مفادات میں ماحول بنا کر کام نہیں کیا جائے گا تب تک ملک کا صحیح منظر نامہ سامنے نہیں آسکتا۔

ملک میں جس طرح کا فرقہ وارانہ ماحول بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں اس کے مدنظر ماضی، حال کا بہتر نتیجہ خیز تجزیہ کر کے ملک و ملت کے مسائل کے صحیح افہام و تفہیم وقت کا اہم تقاضا ہے۔ حالات و حقائق کو نظر انداز کرے روشن مستقبل کی امید محض خوش فہمی ہوگی۔ ◻◻

بقیہ— خلیفہ رابع حضرت علیؓ....

ایک کونے میں چھپ گئے۔ جس وقت آپؓ نماز فجر کے لئے تشریف لائے تھے اس وقت ان میں سے ایک نے آپؓ پر پہلا وار کیا اور اس کے بعد عبدالرحمن بن ملجم نے دوسرا وار کیا، یہ دیکھ کر تیسرا بھاگ کھڑا ہوا۔ اخیر میں صرف عبدالرحمن بن ملجم مرادی ہی پکڑا گیا۔

حضرت علیؓ نے اپنے بھانجے اور حضرت ام ہانیؓ کے بیٹے حضرت جعدہؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، اس دوران سورج طلوع ہو چکا تھا، لوگ آپؓ کو زخمی حالت میں گھر لے گئے اور خارجی عبدالرحمن بن ملجم مرادی کو آپؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؓ نے اس بدبخت سے پوچھا کہ تجھے کس چیز نے مجھے مارنے پر آمادہ کیا؟ خارجی عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے آپؓ کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس تلوار کو چالیس روز تک تیز کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس سے وہ شخص مارا جائے جو خلق کے لئے شر کا باعث ہو، آپؓ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں تو اس تلوار سے مارا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وفات سے پہلے کچھ وقت مل گیا؛ جسے آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرنے میں صرف کیا۔ جاں کنی کے اس عالم میں بھی آپ نے جو باتیں ارشاد فرمائیں، وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ آپ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا اور ان سے فرمایا: میں تم دونوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دنیا کے پیچھے ہرگز نہ لگنا خواہ دنیا تم سے بغاوت ہی کیوں نہ کردے۔ جو چیز تمہیں نہ ملے، اس پر رونا نہیں۔ ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں سے شفقت کرنا، پریشان حالوں کی مدد کرنا، آخرت کی تیاری میں مصروف رہنا، ہمیشہ ظالم کے دشمن اور مظلوم کے حامی رہنا اور کتاب اللہ کے احکامات پر عمل کرتے رہنا۔ اللہ کے دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت گھبرانا۔

آپؓ شدید زخمی حالت میں تھے یہاں تک کہ ۲۱؍ویں رمضان المبارک کی شب کا دوتہائی گذرنے پر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور اسی اثناء میں کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ◻◻

بقیہ— نواسہ شیخ الاسلام....

معاملات کے حل میں کسی بھی شکل میں حصہ نہ لینے کو شرعاً اچھا نہیں سمجھا گیا۔ آپ نے ان لوگوں سے ناراضگی کا اظہار کیا ہے، جو سماجی کاموں سے بالکلیہ دور رہتے ہیں اور لوگوں کے نزاعی معاملات میں صلح صفائی کا ذریعہ بننے کے بجائے سیدھے طور پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ میاں! ہمارا ان کاموں سے کیا تعلق ہے، ہم ان چیزوں میں اپنا وقت کیوں ضائع کریں۔

عام لوگوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرنے کا سبب بعض اوقات کبر اور گھمنڈ بھی ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے کہ علم و عبادت جیسے شرعاً مطلوب امور بھی نیت کی خرابی کی وجہ سے بعض مرتبہ کبر کا مبنی اور بنیاد بن جاتے ہیں، جیسا کہ ریا کاری، عالم اور مجاہد سے متعلق حدیث میں اس مضمون کو صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مسجد سے بڑھ کر نورانی و روحانی ماحول ایک مسلمان کو کسی اور جگہ میسر نہیں ہوسکتا۔ یہاں فرشتے موجود رہتے ہیں اور دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ نمازوں کے ذریعے ایک انسان اپنے پروردگار کا چہیتا اور محبوب بندہ بنتا ہے۔ مسجد میں آکر جب کوئی شخص پروردگار کی چوکھٹ پر اپنی جبین نیاز خم کرتا ہے تو پروردگار کو اس کے حال پر رحم آتا ہے اور باہر اے ذہن و دماغ پر شیطانی اثرات کا تسلط ہوا بھی ہو تو مسجد کے پاکیزہ ماحول نماز پنج گانہ کی باجماعت ادائیگی کے اہتمام کی برکت سے ان شیطانی اثرات سے اس شخص کو آزاد کردیا جاتا ہے۔ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں اور فتنوں اور شیطانی چالوں کا بہ آسانی شکار بن جاتے ہیں، جن کی زندگی میں مسجد کی حاضری اور نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام نہیں ہوتا اور نماز پڑھنے والے اور مسجد کے نورانی ماحول میں فارغ وقت گزارنے والے خوش نصیب پر شیطان کا تسلط ممکن ہے اس لیے کہ وہ اللہ عزاسمہ کی خاص حفاظت میں ہے۔ یہ فتنوں سے حفاظت کا نبوی نسخہ ہے، جسے عمل میں لاکر ہم فتنۂ ارتداد کے سدباب میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

ساڑھے نو بجے کے قریب آپ ہی کی دعا پر یہ پروگرام مکمل ہوا۔ دعا کے بعد شہر کے مختلف علاقوں سے آنے والے مہمانانِ کرام نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

حاجی محمد فرقان صاحب کے گھر پر عشائیہ

پروگرام کے بعد حاجی محمد فرقان صاحب کے گھر پر مفتی صاحب مدظلہ اور ہم خدام کی کھانے کی دعوت تھی۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک ہم لوگوں کو آپ سے استفادے کا موقع ملا۔

صبح کو آپ نے نمازِ فجر مدینہ مسجد میں ادا کی۔ آپ چھ بجکر دس منٹ پر وہاں پہنچے، جاتے ہی سنتیں ادا کیں، سوا چھ بجے جماعت کا وقت تھا، نمازِ فجر آپ ہی کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ نماز و دعا کے بعد مفتی حق نواز صاحب نے سب سے پہلے حافظ محمد ہشام منصور پوری کو تلاوتِ کلام اللہ کے لیے دعوت دی۔ موصوف کی تلاوتِ کلام اللہ کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا خطاب شروع ہوا جو تقریباً پینتیس منٹ تک جاری رہا۔ اس بیان میں آپ نے انعاماتِ الٰہیہ کو بالتفصیل ذکر فرمایا اور ان پر اللہ رب العزت والجلال کا شکر کس طرح ادا کیا جائے اس حوالے سے روشنی ڈالی۔

بیان اور نمازِ اشراق سے فراغت کے بعد مفتی حق نواز صاحب نے مسجد سے ملحق مدرسہ نما مکتب دِکھایا، یہ مسجد اور مکتب اچھی خاصی جگہ میں بنے ہوئے ہیں۔ مفتی حق نواز نے جب بتایا کہ محض تین سال کی مدت میں ہی مکتب کی وسیع و عریض عمارت تعمیر ہوئی ہے، نیز یہ کہ مسجد پر لگے پتھر وغیرہ کا کام بھی انہی کے سامنے ہوا ہے، آپ نے مکتب سے حفظ مکمل کرنے والے طلبہ کی تعداد اور آئندہ کے اپنے تدریسی عزائم سے آگاہ کیا تو مفتی صاحب مدظلہٗ نے حیرت انگیز مسرت کا اظہار فرمایا۔

حاجی نثار صاحب کے گھر پر ناشتے کا انتظام تھا۔ مفتی عبدالملک صاحب قاسمی اور ان کے رفقائے کار قاری محمد عادل صاحب اور مولانا احمد صاحب وغیرہ کی کوششوں سے پچھلے دنوں غازی پور ضلع پٹیالہ کی مسجد واگزار ہوئی تھی اور اللہ کے فضل سے اس کی تعمیر جدید کا کام بھی مکمل ہو چکا ہے۔ مفتی عبدالملک صاحب نے اس مجلس میں آپ سے اس مسجد کی بابت گفتگو کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب بات یہ ذکر کی کہ اس مسجد کے گردونواح میں معدودے چند مسلمان رہائش پذیر تھے جنھوں نے تقسیم کے بعد کے ماحول میں عیسائی دھرم کو اپنا لیا تھا۔ یہ لوگ آج بھی بدستور عیسائی ہیں لیکن ساتھ ہی نماز کلمہ بھی سیکھ رہے ہیں اور باقاعدہ مسجد آکر نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں۔ مفتی صاحب مدظلہ یہ بات سن کر حیرت میں پڑ گئے تھے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہمارے سامنے ذکر کیا جارہا تھا۔ ان لوگوں کو واپس اسلام میں لانے کی کوششیں بتدریج جاری ہیں۔ اللہ کی ذات سے امید یہی ہے کہ یہ لوگ متاعِ اسلام سے اپنا رشتہ پھر سے بحال کریں گے اور اللہ کا گھر انھیں کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر سے صحیح معنوں آباد ہوگا۔ انشاءاللہ۔

پنجاب میں چونکہ الیکشن کا زمانہ قریب ہے اس لیے اس مجلس میں آپ نے وہاں پر موجود جمعیۃ علماء ضلع سنگرور و لدھیانہ کے خدام سے یہ بات بطور خاص فرمائی کہ گلی گلی، محلے محلے چل کر پھر لوگوں کو ووٹ کی اہمیت وضرورت سے آگاہ کیا جائے، لوگوں کے ووٹر کارڈ بنوائے جائیں، جن کے نام ووٹ دہندگان کی فہرست میں شامل نہ ہوں انھیں شامل کرایا جائے اور جن لوگوں کا انتقال ہو چکا ہے ان کے نام فہرست سے نکلوائے جائیں، متوفی لوگوں کے نام خارج کرائے بغیر نئے لوگوں کا فہرست میں اندراج بڑا مشکل کام ہے۔

۳؍نومبر کو مغرب کی نماز آپ نے مسجد ابوبکر صدیق ایل بلاک میں پڑھائی اور نمازِ مغرب کے فوراً بعد روانہ ہوکر بارہ بجے آپ اور آپ کے رفقائے سفر دیوبند پہنچ گئے۔ ◻◻

نواسۂ شیخ الاسلام مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری کا
ایک روزہ سفر لدھیانہ

رپورٹ: محمد عارف قاسمی جیسلمیری

ہم خدامِ جمعیۃ علماء ضلع لدھیانہ و پنجاب کے لیے حد درجہ سعادت وخوش بختی کی بات ہے کہ نواسۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم صدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ و صدر دینی تعلیمی بورڈ یوپی، حاجی محمد فرقان صاحب بجنوری خازن جمعیۃ علماء ضلع لدھیانہ کی دعوت پر وقتاً فوقتاً لدھیانہ کے اسفار فرماتے رہتے ہیں۔ جمعیۃ علماء پنجاب سے متعلق امور کا جائزہ لیتے ہیں اور وقت کے اہم اور ضروری مسائل کے حل کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی مخلصانہ توجہات کا اثر ہے کہ جمعیۃ علماء ضلع لدھیانہ کے پلیٹ فارم سے انجام دی جانے والی دینی و علمی اور سیاسی وسماجی خدمات کا دائرہ کافی حد تک وسیع ہوا ہے اور الحمد للہ جمعیۃ علماء ضلع لدھیانہ کے خدام نے ہر محاذ پر اچھی اور امید افزا خدمات پیش کی ہیں۔

۲ر نومبر ۲۰۲۱ء کو حاجی فرقان صاحب بجنوری کی دعوت پر آپ مغرب کے قریب لدھیانہ تشریف لائے۔ حاجی فرقان صاحب سے فون پر رابطہ کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ مغرب کے قریب مفتی صاحب ایل بلاک بی آر ایس نگر لدھیانہ پہنچیں گے اور نمازِ عشاء کے معاً بعد مسجد ابوبکر صدیق میں آپ کا اصلاحی خطاب ہوگا۔

حسب پروگرام خطاب شروع ہوا۔ یہ خطاب بے حد اہم تھا۔ وقت کے انتہائی حساس اور سلگتے ہوئے مسئلے 'فتنہ ارتداد کے وجوہ واسباب اور اس کے سدباب کے طریقے' کے عنوان پر آپ نے ایک گھنٹے کے قریب بڑا ہی جامع، پر مغز اور بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ اس بیان کے ذریعے عوام و خواص کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا گیا تھا اور پھر مفتی صاحب کے منفرد و مثالی انداز سے بہت اثر ہوا! اس لیے دورانِ خطاب سامعین کے انہماک اور محبویت کا عجب عالم تھا۔ آپ کے خطاب سے قبل آپ کے صاحبزادے حافظ محمد ہشام منصور پوری متعلم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ نے اپنے ترنم ریز لہجے میں قرآن کریم کی تلاوت کی جبکہ نظامت کے فرائض ہمارے فاضل دوست اور جمعیۃ علماء ضلع لدھیانہ کے نائب صدر مفتی محمد انعام صاحب نے انجام دیئے۔ اس بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد آپ نے فرمایا:

ارتداد کے ملک بھر میں بڑھتے واقعات بیحد فکر وتشویش کا باعث ہیں۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ پچھلے تین چار سالوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مرتد ہونے کے واقعات جس کثرت سے پیش آئے ہیں اتنے واقعات پچھلی پوری صدی میں بھی پیش نہیں آئے تھے۔ یہ وہ کربناک صورتِ حال ہے جس کی جانب سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں پہلے اشارہ فرمادیا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نیک اعمال میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو کیونکہ دنیا ایسے فتنوں سے بھر جانے والی ہے جو تاریک رات کے اندھیرے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے اور اتنے خطرناک فتنے ہوں گے جن سے انسان ایسا متاثر ہوگا کہ ایک شخص جو صبح کے وقت مسلمان ہوگا شام ہوتے ہوتے کافر ہوچکا ہوگا اور ایک شخص جو شام کے وقت مسلمان ہوگا صبح ہوتے ہوتے کافر ہوچکا ہوگا۔ اتنی تیزی کے ساتھ فتنے انسانی سماج کے اندر سرایت کرجائیں گے اور دل کی دنیا اتنی تیزی سے بدلے گی کہ پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کب کون کس فتنے کا شکار بن بیٹھا۔ معمولی اغراض کے تحت دین وایمان کے سودے ہونے لگیں گے۔

آج ہمارے ملک کی صورتحال یہ ہے کہ شاید ہی ہمارے ملک کا کوئی صوبہ اور ضلع ایسا بچا ہوگا جہاں کسی مسلم لڑکے یا لڑکی کے مرتد ہونے کے واقعات پیش نہ آئے ہوں۔ فتنوں کے ایسے تاریک دور میں اگر ہم نے اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت سے متعلق فکر نہ کی تو نہ آنے والی نسلیں ہمیں معاف کریں گی اور نہ آنے والا زمانہ ہمیں معاف کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ بہ حالاتِ موجودہ ارتداد کے اس فتنے کا کامیاب مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے لیے بے انتہا ضروری ہے کہ علمائے کرام، ائمہ مساجد اور دینی فکر ومزاج کے حامل دعاۃ ومبلغین سے روابط قائم رکھے جائیں۔ جو لوگ صاحب دل علماء سے تعلق بنائے رکھتے ہیں اور ہر اہم کام ان کے مشورے کے مطابق انجام دیتے ہیں وہ شیطانی چالوں کا بخوبی مقابلہ کریں گے اور حسب توفیق دین وشریعت کے مطابق زندگی گزاریں گے اور خدانخواستہ علماء وائمہ اور مخلص خدام سے دوری رہی تو ایسی صورت میں یہ ہوگا کہ جو کوئی بھی صحیح یا غلط شخص دین کا ترجمان بن کر ہمارے بیچ آئے گا لوگ ناواقفیت کے سبب اسی کی بتائی ہوئی باتوں پر صحیح غلط میں فرق کیے بغیر عمل کریں گے۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور اپنے افرادِ خاندان و دیگر ناخواندہ متعلقین واقارب کو بھی گمراہی کے دلدل میں دھکیلنے کا ذریعہ اور سبب بنیں گے۔

علمائے حق سے تعلقات رکھنے اور ان سے استفادے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کے ماحول کو بھی دینی رنگ میں رنگنے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔ انبیائے کرام، ان کی ازواجِ مطہرات، صحابہ وصحابیات اور دیگر اولیائے عظام کے ایمان، راہِ خدا میں ان کی قربانیاں اور ان کے ایمان افروز واقعات اپنی اولاد کو بالضرور سنائے جائیں تاکہ ان کے سادہ اذہان وقلوب پر دین واسلام کی عظمت مرتسم ہوسکے اور کوئی بھی باطل طاقت ان کے ایمان وعقیدے میں تزلزل پیدا نہ کرسکے۔

ہمارے جو مسلم لڑکے اور لڑکیاں اس وقت اسکول اور کالج میں پڑھ رہی ہیں ان کی دینی وذہنی تربیت کی فکر واہتمام تو ہمارے لیے فرض اور واجب کے درجے میں ہے۔ آپ حضرات مجھ سے بھی بہتر جانتے ہیں کہ پچھلے کچھ سالوں سے اسکولوں کی تعلیم کو ایک خاص رنگ میں رنگے جانے کا عمل جاری ہے، پڑھائی جانے والی کتابوں میں مضامین اس طرح کے بھی شامل کیے گئے ہیں جن میں مختلف ادیان و مذاہب کے پس منظر وپیش منظر، ان کے دھارمک تہواروں اور ان کے بانیان کے حالات و نظریات پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جس کے اثرات ونتائج اب دِکھائی بھی دینے لگے ہیں۔ ہمارے عصری تعلیم یافتہ لڑکوں اور لڑکیوں میں ایسی بڑی تعداد ہے جو ملک کے مختلف دھرموں اور ان کے تہواروں کے بارے میں تو اچھی خاصی معلومات رکھتے ہیں جبکہ دین اسلام کے بارے میں بالکل صفر ہوتے ہیں۔

یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ تین سال سے اٹھارہ سال تک کی عمر ہی انسانی ذہن کے بننے اور بگڑنے کی عمر ہوتی ہے۔ ہمارے مسلم لڑکے اور لڑکیاں اس پوری مدت میں عصری تعلیمی اداروں میں مختلف ادیان ومذاہب کی تفصیلات جانتے رہیں اور دینی اعتبار سے ان کی تعلیم وتربیت کا کوئی معقول نظم نہ کیا جائے تو پھر ظاہر ہے ان کے دل ایمان کی عظمت واہمیت سے یکسر خالی ہوں گے اور ایسے مرد وزن دنیا کے معمولی معمولی مفادات کی خاطر متاعِ اسلام سے محروم ہوکر مرتد ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں۔

والدین کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اسکول وکالج میں جو کچھ پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے وہ بھی بہرحال تعلیم کا حصہ ہے اور عہد حاضر میں عصری تعلیم سے محروم لوگوں کی بے وزنی بھی سب کے سامنے عیاں ہے اس لیے بقدر ضرورت اس تعلیم کو حاصل تو ضرور کیا جائے لیکن ساتھ ہی ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ ہر روز قریب کے کسی مدرسے، مکتب یا مسجد میں بالضرور لگوایا جائے اور گھر پر بھی اس کا معقول انتظام ممکن ہو تو یہی کام گھر پر ہی کرلیا جائے، یہ فتنۂ ارتداد کی ایک مضبوط کاٹ ہے، ہمیں اس جانب توجہ دینی ہی ہوگی، ورنہ یہ مرض اور عام ہوگا اور لڑکوں ولڑکیوں میں وہی فکر اور سوچ پروان چڑھے گی جس کا دین و شریعت سے تصادم وجنگ ظاہر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تعلیم وتربیت کا یہ کام چھوٹے بچوں میں بھی کیا جائے اور ادھیڑ و معمر قسم کے مردوں اور عورتوں میں بھی اس کام کو کیا جائے۔ معاشرہ کا ہر چھوٹا بڑا فرد جب اپنی اصلاح کو لے کر فکرمند ہوگا اور ہر شخص اپنے دین و مذہب کی بنیادی اور ضروری باتوں سے واقف ہوگا تو اسی وقت مطلوبہ نتائج برآمد ہوں گے اور اس فتنے کا کماحقہ سدباب ہوسکے گا۔ تعلیم بالغان کے نام سے یہ کام ملک کے مختلف مقامات پر جاری ہے اور اس کے بہت اچھے نتائج سننے اور دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ شہر شہر اور قریہ قریہ اس سلسلے کو مزید وسعت دی جائے اور اس کے دائرۂ افادیت کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

شیطانی چالوں سے بچاؤ کا دوسرا بڑا راستہ یہ بھی ہے کہ ہم عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہیں۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اجتماعیت کو لازم پکڑیئے، کیونکہ اکیلی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ آدمی کی ذاتی حیثیت چاہے کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو ٹ عام لوگوں سے دور رہنے، ان کے دُکھ درد میں شریک نہ ہونے اور ان کے

(باقی صـ۱۴ پر)

مجلس اگر کامیاب ہوئی تو مسلم علاقوں میں ۲۵۰ پرائمری اسکول قائم کرے گی: کلیم الحفیظ

نئی دہلی۔ اپنے مسائل حل کرنے کے لیے اپنی قیادت کو ووٹ کرنا ضروری ہے، مسلمان اگر سیاسی طور پر متحد ہوجائیں اور اپنی قیادت کو مضبوط کریں تو اپوزیشن میں رہ کر بھی اپنے مسائل حل کرسکتے ہیں، جیسا کہ تلنگانہ میں ہورہا ہے، اگر دہلی ایم سی ڈی میں مجلس کامیاب ہوئی تو مسلم علاقوں میں ۲۵۰ پرائمری اسکول قائم کرے گی۔ ان خیالات کا اظہار آل انڈیا مجلس اتحاد المسلمین دہلی کے صدر کلیم الحفیظ نے مصطفےٰ آباد وارڈ میں مجلس کے دفتر کے افتتاح کے موقع پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ صدر مجلس نے کہا کہ اتحاد میں بڑی طاقت ہے، اب تک آپ دوسروں کو ووٹ دیتے آئے ہو، اور انھیں حکومت ملتی رہی ہے، مگر انھوں نے آپ کا ووٹ تو لیا لیکن آپ کے مسائل حل نہیں کیے، اب آپ کو آنے والے ایم سی ڈی الیکشن میں خود کو ووٹ دینا ہے تاکہ آپ کی اپنی حکومت بنے اور آپ کے مسائل حل ہوں، سیاسی طور پر متحد ہونے کے نتیجے اگر آپ کو دیکھنا ہوں تو تلنگانہ اور کیرالہ میں دیکھنا چاہئے۔ تلنگانہ میں مجلس کے سات ایم ایل ہیں لیکن حکومت پر ان کا پورا دباؤ ہے اور حکومت مجبور ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے اسکول، کالج اور اسپتال قائم کرے، لیکن دہلی میں پانچ مسلم ایل اے ہونے کے باوجود کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ حکومت مسلمانوں کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی، سارے مسلم ایم ایل اے گونگے، بہرے بنادیے گئے ہیں، اس لیے آپ اس بات سے نہ گھبرائیں کہ پانچ یا چھ سیٹوں سے کیا ہوتا ہے۔

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

فرقہ وارانہ بیان بازی وزہرافشانی

مکرمی! میں نہ تو خودغرض ہوں اور نہ اتنا بھولا ہوں لیکن ایمانداری اور خلوص سے آپ بتائیں کہ یوگی آدتیہ ناتھ جی کے مسلسل مسلمانوں کے خلاف طنز کو کس طرح دیکھا جانا چاہیے؟ ان باتوں سے میرا دل تڑپتا ہے۔ اس سے مجھے پریشانی اس لیے ہوتی ہے کہ ہم لوگ ۱۹۳۰ء کی دہائی کے جرمنی، ۱۹۶۰ء کی دہائی کے جنوبی افریقہ اور ۱۹۷۰ء کی دہائی کے یوگانڈا کی گونج آج بھی سن سکتے ہیں۔ حساس اور روادار ہندو بھائیوں کا بھی یہی احساس ہے۔ میں تو ایک مسلمان ہوں، نسبتاً یہ چیز ملک کے مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ باتیں خفیہ طور پر بی جے پی، اس کے صدر اور یہاں تک کہ وزیراعظم بھی قبول کرتے ہیں اور اگرچہ ہمارا میڈیا ان لیڈران کی زہرافشانی کی تشہیر تو کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی مذمت کرنا تو دور کی بات ہے اس کی تنقید کرنے سے بھی ہچکچاتے ہیں۔ اگر یوگی آدتیہ ناتھ کے چند دنوں قبل دیئے گئے ایک طنزیہ بیان کا جائزہ لیا جائے تو یہ چیز اور واضح ہوجائے گی۔ انھوں نے اپنی ایک تقریر میں اپنی مدتِ کار میں حصولیابی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا: ''کیا آپ لوگوں کو ۲۰۱۷ء سے پہلے یہ راشن مل رہا تھا؟'' پھر وہ خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''کیونکہ ان دنوں ابا جان کہنے والے لوگ اس راشن کو ہضم کرجاتے تھے۔ اس سے پہلے ابا جان کہنے والے لوگ ان ملازمتوں کو لوٹ لیتے تھے جو غریبوں کے لیے مختص تھیں۔'' یہاں تک کہ وزیراعلیٰ نے یہ بھی کہہ دیا: ''ابا جان کہنے والے عاشقوں کو یقینی طور پر سبق سکھاؤں گا۔'' اس طرح کی بیان بازی کرنے کا یوگی جی کے لیے یہ پہلا موقع نہیں تھا اور مجھے یقین ہے کہ ملک کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا یہ آخری موقع بھی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ہمارے ہیرو مغل کیسے ہوسکتے ہیں؟'' شاید انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ شہنشاہ اکبر کو دنیا کا عظیم ترین شہنشاہ شمار کیا جاتا ہے۔ ایک سال قبل انتخابات کی تشہیر کے دوران انھوں نے فرمایا تھا کہ ان کے مخالفین علی کی حمایت کرتے ہیں جبکہ ان کا عقیدہ صرف بجرنگ بلی میں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یوگی جی نے تعصب یا جانبداری کو کبھی نہیں چھپایا۔ ہر بات خصوصاً مسلمانوں کے خلاف کھل کر بلاتکلف کہا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر ایک ہندو لڑکی کا مذہب تبدیل کرایا جاتا ہے تو ہم لوگ سو مسلمان لڑکیوں کا مذہب تبدیل کرائیں گے۔ ان باتوں کے علاوہ ان کی کچھ اور باتیں بھی ہیں جو ان سے بھی بدتر ہیں۔ ایک موقع پر انھوں نے کہا کہ ان جگہوں پر جہاں دس بیس فیصد اقلیتی فرقہ کے لوگ رہتے ہیں چھٹ پٹ فرقہ وارانہ فساد ہوتے ہیں اور جہاں وہ بیس سے پینتیس فیصد ہیں وہاں بڑے فرقہ وارانہ فساد ہوتے ہیں اور جہاں پر وہ ۳۵ فیصد سے زیادہ ہوتے ہیں وہاں غیر مسلم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ ۲۰۰۵ء میں ان کے اقتدار میں آنے کے بارہ سال قبل انھوں نے اپنا خواب واضح کیا تھا: ''میں جب تک اتر پردیش اور ہندستان کو ایک ہندو راشٹر میں تبدیل نہیں کردیتا ہوں تب تک نہیں رکوں گا۔'' بلاشبہ یہ ان کے برتاؤ اور اخلاقی قدروں کی نشاندہی کرتا ہے لیکن ان کی پارٹی اور میڈیا ان کے ان تبصروں کو کس طرح دیکھتا ہے وہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ہم لوگوں کا ملک سیکولر ہے اور قانونی طور پر مسلمان برابر کے شہری ہیں۔ اس لیے وزیراعظم، وزیر داخلہ اور پارٹی صدر کی ان باتوں پر خاموشی کیا ظاہر کرتی ہے؟ کم از کم ان دو شخصیتوں (وزیراعظم اور وزیر داخلہ) سے تو ہم لوگ بہت امید نہیں رکھ سکتے کیونکہ شاہین باغ تحریک اور دہلی کے انتخابات کے دوران خود ان لوگوں نے جو فرقہ وارانہ تبصرے کیے انھیں دوہرانا بے سود ہے لیکن بہرحال اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہندستان کا ہر سیکولر ذہن رکھنے والا، روادار اور دانشور شہری بے چین ہے۔ کیا یہ لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ یوگی آدتیہ ناتھ جانے انجانے میں جمہوریت کو مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں اور ہمارے آئین کے اصولوں کے ساتھ سمجھوتہ کررہے ہیں؟ کیا ان کا جانبدارانہ نظریہ ملک کے امن وفرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے نقصاندہ نہیں ہے؟ کیا ان کا اس نوعیت کا جانبدارانہ نظریہ اس انسان کے اندر ہونا مناسب ہے جس کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک روز ہندستان کے وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوں گے؟

میں ان کے جوابات کو نہیں جانتا لیکن ان لوگوں کی خاموشی واضح کرتی ہے کہ ان کے جوابات 'نہیں' میں ہوں گے۔ یعنی ان لوگوں کے خیال میں آدتیہ ناتھ کا جانبدارانہ رویہ جائز ہے۔ ویسے بھی آج کے ماحول میں مودی جی یا امت شاہ یوگی آدتیہ ناتھ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں یہ بات اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہے جتنی کہ موہن بھاگوت کی سوچ یوگی جی کے بارے میں اہمیت رکھتی ہے اور بھاگوت کا 'آشیرواد' یوگی جی کے ساتھ ہے، ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ایک اور اہم سوال کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔ کیا آدتیہ ناتھ مودی اور امت شاہ کے نظریات کی نمائندگی کررہے ہیں، یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ ان خیالات کا اظہار کرنے میں اب ہچکچا رہے ہیں؟

اب ذرا میڈیا کی بات کرلی جائے۔ کچھ لوگ میڈیا کو معاشرہ کا اخلاقی سرپرست مانتے ہیں۔ دیگر افراد اسے چوکیدار سگ کہتے ہیں جو بھونکتا رہتا ہے اور جسے خاموش نہیں کیا جاسکتا۔ یوگی جی کا ابا جان والا طنز ملک کے مشکل سے ایک تہائی اخباروں میں شائع ہوا اور دو تہائی اخباروں نے اسے غائب ہی کردیا۔ جن اخباروں نے اس کے بارے میں لکھا انھوں نے بھی یوگی جی کی بہت ہلکی تنقید کی۔ بیرونی ممالک میں جب ہندستانیوں کے ساتھ خراب سلوک ہوتا ہے تو غصہ میں ہم لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جب او آئی سی کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ ہم لوگوں کے رویہ کے بارے میں بتاتا ہے تو ہمارے اندر اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ سردار پٹیل نے ایک بار کہا تھا کہ ہمیں اقلیتی فرقہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ اگر یہی برتاؤ دیگر ممالک میں ہمارے ساتھ ہوتا ہے تو ہم کیا محسوس کریں گے؟ اس لیے جیسا کہ سینئر جرنلسٹ کرن تھاپر نے اپنے ایک مضمون میں فرمایا کہ ہم لوگ جو آدتیہ ناتھ کے اشتعال انگیز بیان پر جو خاموشی اختیار کرتے ہیں وہ ایک بھیانک غلطی ہے۔

پروفیسر عتیق احمد فاروقی

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI
Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 26 November 2021 Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi
R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر — م-ع-ج

•معاشرہ پر جبر کی حکمرانی کیوں؟

•سپریم کورٹ کی سرزنش •قانون کا فقدان

معاشرہ پر جبر کی حکمرانی کیوں؟

ہندستان کی آزادی کو آج ۷۴ برس پورے ہوگئے ہیں۔ قوموں کی تاریخ میں سات دہائیوں سے زیادہ کی یہ مدت کچھ زیادہ نہیں ہوتی لیکن کرنے والے اس عرصہ میں بھی بہت کچھ کرلیا کرتے ہیں، چنانچہ انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ نے جس ملک کو کنگال بنادیا تھا آج وہ تیسری دُنیا کی ایک بڑی طاقت بن چکا ہے۔ یہ سب آزادی اوراس نظام کا ثمرہ ہے جس کو ہم جمہوریت کے نام سے جانتے ہیں مگر کچھ برسوں سے نہ صرف ہماری جمہویت بلکہ آزادی کو بھی بعض خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ سماجی برائیاں بڑھتی جارہی ہیں اور اخلاقی قدریں پامال ہورہی ہیں۔ لوگوں کا

> جس طرح صحت کی دیکھ بھال اوراس کی حفاظت کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں ورنہ صحت باقی نہیں رہتی، اسی طرح آزادی کی بھی ذمہ داریاں اور تقاضے ہوتے ہیں، انھیں اگر پورا نہ کیا جائے تو اوّل آزادی ایک مصیبت بن جاتی ہے، دوسرے اس کا زیادہ عرصہ تک قائم رہنا دشوار ہوجاتا ہے۔

جان و مال محفوظ نہیں رہا۔ عورتوں کی عزت وآبرو کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ انسانوں نے انسانوں کی زندگی میں زہر گھولنا شروع کردیا ہے۔ وہ نہ خود چین سے ہیں نہ دوسروں کو سکون سے رہنے دینا چاہتے ہیں۔ اس ماحول میں فتنہ وفساد والی طاقتیں مزید طاقتور بن رہی ہیں۔ نفرت، پھوٹ اور فرقہ واریت انفرادی سطح سے بڑھ کر قومی سطح تک پھیل گئی ہے۔ علاحدگی پسند اور تخریبی عناصر سرگرم عمل ہیں۔ تعصب کا زور بڑھتا جارہا ہے، پہلے پنجاب اس کا مرکز بنا ہوا تھا، بعد میں کشمیر اوراب شمال مشرق بھی اس کی لپیٹ میں آگیا ہے اوراس طرح قوم کی طاقت، صلاحیت اور توانائی کا بڑا حصہ آپس کی لڑائی میں صرف ہورہا ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دِکھانے اور برباد کرانے کو کارنامہ تصور کیا جارہا ہے۔ تشدد پوری تیزی سے پھیل رہا ہے، قانون کی عمل داری ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے اور جمہوریت کے باوجود جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی حالت پیدا ہورہی ہے جس پر توجہ دینا اوراس کی اصلاح کی فکر کرنا ضروری ہے۔ آزادی ایک انسانی حق اور نعمت خداوندی ضرور ہے مگر جس طرح صحت کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اوراس کی حفاظت کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں ورنہ صحت باقی نہیں رہتی، اسی طرح آزادی کی بھی ذمہ داریاں اور تقاضے ہوتے ہیں، انھیں اگر پورا نہ کیا جائے تو اوّل آزادی ایک مصیبت بن جاتی ہے، دوسرے اس کا زیادہ عرصہ تک قائم رہنا دشوار ہوجاتا ہے۔ صرف جذباتی نعرے لگاکر اور آزادی کے گیت گاکر آزادی کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ آزادی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے قومی اتحاد، قانون کا احترام، کمزوروں کو اوپر اُٹھانا اور دیانت داری سے محنت کرنا لازمی شرائط ہیں ورنہ فوج، ہتھیار اور ملک کی وسعت کے باوجود ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر نفرت، ظلم اور پھوٹ کا لاوا اسی طرح ابلتا رہا تو ملک کا رقبہ بھی اتنا بڑا نہیں رہے گا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جن لوگوں کو قوم اور ملک کے استحکام کی فکر ہے وہ وقت کی آواز پر کان دھریں، سماج کی اخلاقی قدریں پھر سے بحال کی جائیں۔ نفرت وتشدد کے مظاہرے پر روک لگائی جائے۔ صحت مند تعلیمی پالیسی کو اختیار کیا جائے، نئی نسل کو تعلیم، اخلاق اور احساسِ ذمہ داری سے سنوارا جائے سماجی ومعاشی انصاف قائم کیا جائے تبھی آزادی کے میٹھے پھل ہم کھاسکتے ہیں اوراس کی حفاظت کا کام انجام دے سکتے ہیں۔

سپریم کورٹ کی سرزنش

اس وقت پورے ملک کو بھکمری کا سامنا ہے۔ سارے ملک میں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں، اس کے پیش نظر سپریم کورٹ سے مفادِ عامہ کی ایک عرضی میں فریاد کی گئی تھی کہ لوگوں کو مرنے سے بچایا جائے۔ مفادِ عامہ میں دائر کی گئی اس عرضی پر سماعت کرتے ہوئے سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے جو چیف جسٹس این وی رمنا، اے ایس بوپانہ اور ہیما کوہلی پر مشتمل ہے، مرکزی حکومت کو ہدایت دی کہ ریاستوں سے بات کرکے مرکز پورے ملک میں کمیونٹی کچن اسکیم کو نافذ العمل بنائے۔ فاقہ کشی کے مسئلہ سے نمٹنے کے لیے ہندستان بھر میں کمیونٹی کچن قائم کرنے کی درخواست پر سماعت کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے مرکز کو پھٹکار لگائی۔ عدالت نے کہا کہ ہمیں شک ہے کہ آپ کا اسکیم کو فوری طور سے نافذ کرنے کا ارادہ نہیں ہے لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ بھوک سے مرتے لوگوں کو کھانا فراہم کرنا ہر حکومت کی ذمہ داری ہے۔ سپریم کورٹ نے مرکز کو تین ہفتوں میں پلان تیار کرنے کا حکم دیا۔ عدالت عالیہ نے مرکز کو ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ یہ ریاستوں کے ساتھ ہنگامی میٹنگ کرنے، منصوبے کے لیے بلیو پرنٹ بنانے اوراس پر عمل آوری کی حکمت عملی تیار کرنے کا آخری موقع ہے۔ عوامی مفادِ عامہ کی عرضی پر سماعت کرتے ہوئے مرکز کی بے حسی پر ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے چیف جسٹس رمنا نے کہا کہ ہمیں بین الاقوامی غذائیت کے انڈیکس جیسے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس اسکیم کا مقصد بھوک کے مسائل پر فوری طور سے قابو پانا ہے۔ اگر آپ بھوک سے نمٹنا چاہتے ہیں تو کوئی قانون یا آئین آڑے نہیں آئے گا۔ یہ پہلا اصول ہے۔ ہر فلاحی کام ریاست کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے کہ بھوک سے مر رہے لوگوں کو خوراک فراہم کی جائے۔ آپ کا حلف نامہ کہیں سے یہ ظاہر نہیں کرتا کہ آپ کوئی منصوبہ بنانے پر غور کررہے ہیں۔ اب تک آپ صرف ریاستوں سے معلومات حاصل کرتے رہے ہیں۔ آپ کو اسکیم پر عمل درآمد کے بارے میں تجاویز پیش کرنی تھی نہ کہ صرف پولیس کی طرح معلومات اکٹھا کرنے کی۔ سپریم کورٹ نے انڈر سیکریٹری کے ذریعہ حلف نامہ داخل کرنے پر بھی اعتراض کیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ یہ آخری وارننگ ہے جو میں حکومت ہند کو دینے جارہا ہوں۔ آپ کے انڈر سیکریٹری نے یہ حلف نامہ کیوں دیا، کیا کوئی ذمہ دار افسر یہ حلف نامہ داخل نہیں کرسکتا تھا۔ جسٹس ہیما کوہلی نے کہا کہ مرکزی حکومت کا حلف نامہ سترہ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس میں ایسی کوئی معلومات نہیں دی گئی ہے کہ آپ اس اسکیم کو کیسے نافذ کررہے ہیں۔ عدالت نے گزشتہ سال ۱۷ر فروری کو مفادِ عامہ کی اس عرضی پر حلف نامہ داخل کرنے کے اپنے حکم کی تعمیل نہیں کرنے پر چھ ریاستوں پر ۵ء۵ لاکھ روپے کا اضافی جرمانہ عائد کیا تھا۔ عرضی گزار کے وکیل نے کہا کہ پانچ سال سے کم عمر کے ۶۹ فیصد بچے غذائی قلت کی وجہ سے جان کی بازی ہار چکے ہیں اوراب وقت آگیا ہے کہ بھوک کے مسئلہ کو ختم کرنے کے لیے ریاست کمیونٹی چن قائم کرنے کے لیے اقدامات کرے۔ اس سلسلے میں مرکز ریاستوں کی مالی مدد کرسکتا ہے لیکن چونکہ ہر ریاست کے سماجی ومعاشی حقائق مختلف ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ ریاستوں کو اپنی اسکیم آپ بنانے دیا جائے۔

قانون کا فقدان

مختلف مقدمات کی تحقیقات کے معاملے میں اترپردیش پولیس کو مسلسل عدالتوں کی پھٹکار کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اترپردیش کی پولیس کا طرزِ عمل کئی معاملات میں انتہائی متضاد اور اس پر عدالتوں سے مسلسل تنقید اور سرزمش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لکھیم پور کھیری معاملے میں جہاں کسانوں کو جیپ سے روند دیا گیا اور چار کسانوں کی موت ہوگئی ہے اس معاملے میں یوپی پولیس کی تحقیقات انتہائی سست اور نامعقول ڈھنگ سے چل رہی ہیں۔ مرکزی وزیر کے بیٹے اس کیس میں گرفتار کیے گئے ہیں اوران پر گاڑی سے کسانوں کو روند دینے کا الزام ہے۔ اس کیس کی تحقیقات میں سپریم کورٹ نے خود ریاستی پولیس کی تحقیقات پر سوال اُٹھایا ہے، اس پر تنقید کی ہے اوراس کی سرزنش کی ہے۔ گواہوں کے بیانات قلمبند کرکے عدالت میں پیش کرنے میں بھی یوپی پولیس نے تساہل سے کام لیا ہے۔ اسی طرح ہاتھرس میں پیش آئے عصمت ریزی کے واقعہ پر پولیس نے انتہائی جانبدارانہ انداز میں کام کیا اور تحقیقات کرتے ہوئے ملزمین کے خلاف مقدمہ مضبوط کرنے کی بجائے ملزمین کو بچانے اوران کے خلاف کیس کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔ انتہائی اہمیت کی حامل اورلڑکیوں کی عصمت وعفت اورانسانوں کی جان کے تلف ہونے پر پولیس انتہائی غیرذمہ دارانہ انداز میں اور تساہل سے کام لے رہی ہے وہیں اگر کسی کو نشانہ بنانا ہے تو قانون کے تحت مقدمہ بنتا بھی ہے یا نہیں اس کی بھی جانچ نہیں کی جارہی ہے۔ اسی طرح کے ایک معاملے میں دہلی ہائی کورٹ نے یوپی پولیس کو کھلی پھٹکار سنائی ہے۔ عدالت نے ریمارک کیا کہ یوپی میں چلتا ہوگا، یہاں نہیں۔ یہ ریمارک دراصل ساری اترپردیش پولیس کی

> انتہائی اہمیت کی حامل اورلڑکیوں کی عصمت وعفت اورانسانوں کی جان کے تلف ہونے پر پولیس انتہائی غیرذمہ دارانہ انداز میں اورتساہل سے کام لے رہی ہے وہیں اگر کسی کو نشانہ بنانا ہے تو قانون کے تحت مقدمہ بنتا بھی ہے یا نہیں اس کی بھی جانچ نہیں کی جارہی ہے۔

کارکردگی اوراس کی ساکھ پر ہی سوال پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ معاملہ دراصل ایک خاتون کی اپنے افرادِ خاندان کی مرضی کے خلاف اپنی پسند کے نوجوان سے شادی سے متعلق ہے۔ یہ خاتون یوپی کو چھوڑ کر دہلی چلی آئی تھی اوراس کے اغوا، دھمکے اور زبردست شادی کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے اس کی والدہ نے شکایت درج کروائی تھی اور یوپی پولیس نے تفصیل جانے بغیر ہی کارروائی کی۔ یوپی پولیس نے دہلی پہنچ کر شوہر کے بھائی اور والد کو گرفتار کرلیا۔ اس گرفتاری پر عدالت نے سخت اعتراض کیا ہے۔ دہلی ہائی کورٹ نے واضح کیا کہ خاتون بالغ ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے اپنا گھر چھوڑا تھا۔ اپنی مرضی سے اس نے اپنی پسند کے شخص سے شادی کی تھی اور اس کے اغوا، زبردست شادی کروانے اور دھمکانے وغیرہ کے الزامات قابل قبول ہی نہیں ہیں اس خاتون اوراس کے شوہر نے دہلی ہائی کورٹ میں شوہر کے والد اور بھائی کی گرفتاری پر درخواست دائر کی تھی۔ واضح ہوجاتا ہے کہ اس کے شوہر کے خلاف الزامات بے بنیاد ہیں۔□□

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر اور دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم
امیرالہند حضرت مولانا قاری سیدمحمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ
کی حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کا
امیرالہند رابع نمبر
انشاء اللہ ۱۷/دسمبر ۲۰۲۱ء کو منظرعام پر آرہاھے
تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای۔میل: aljamiatweekly@gmail.com

ضروری اعلان

آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط وکتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: 1 بذریعہ منی آرڈر
2 Paytm یا PhonePe کے ذریعہ
9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
3 آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

Printed & Published by SHAKIL AHMAD SYED on behalf of Jamiat Trust Society printed at Shervani Art Printers, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor MOHD. SALIM, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.
Designing & Composing: HUMRAN AZMI